اسلامیات سیریز - ۱۴

عورتوں کی آزادی اور فرائض

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد

AZAD, ABUL KALAM

AURTON KI AZADI
AUR FARAIZ.

اسلامیات سیریز ۔ ۱۴

عورتوں کی آزادی اور فرائض

(مسلمان عورت ۔ اوّل)

از

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم)

MAKTABA JAMIA LTD.
URDU BAZAR,
DELHI-6.

قیمت دس آنے

عورت کے قدرتی فرائض

قدرت نے مخلوقات کو مختلف جنسوں اور مختلف گروہوں میں تقسیم کردیا ہے اور ہر گروہ کے خاص خاص فرائض اور خاص خاص وظائف قرار دیئے ہیں ان تمام فرائض کی انجام دہی کے لیے چونکہ ایک ہی قسم کی جسمانی حالت اور دماغی قابلیت کافی نہ تھی اس لیے جس گروہ کے متعلق جو کام کیا گیا اسی کے موافق اس کو دماغی اور جسمانی قابلیت عطا کی گئی۔ فرائض کے اختلافات کیساتھ ضروریات زندگی کا بھی مختلف ہونا ضروری تھا۔ اسلئے ہر گروہ کو اسی قسم کے داخلی اور خارجی اعضاء دیئے گئے جس قسم کی ضرورتیں اس کو پیش آتی ہیں۔ عام حیوانات پر نظر ڈالو۔ اونٹ کی غذا جنگل کی خاردار گھاس ہے اسلئے اس کو ویسی ہی زبان اور اسی قسم کے دانت بخشے گئے جو ان تیز و سخت شاخوں کو آسانی سے چبا سکتے ہیں اور انکی سختی کے متحمل ہونیکی طاقت رکھتے ہیں شیر کی غذا دوسرے زندہ حیوان ہیں۔ اسلئے اس کے پنجے نہایت تیز اور سخت اور ایسے دھار دار بنائے گئے جن کا ایک وار بھیڑ اور بکری کی ہلاکت کا باعث ہوسکتا ہے۔ انہی فرائض کی انجام دہی کا مجموعی نام تمدن نظام عالم ہے جب کوئی گروہ اپنے طبعی فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے تو نظام تمدن کی بنیادیں ہلنے لگتی ہیں یہی وہ نکتہ ہے جسکی طرف کلام الٰہی نے اشارہ کیا ہے:۔

ربنا الذی اعطی کل شیٔ خلقہ ثم ھدیٰ ہمارا خدا وہ ہے جس نے ہر شے کو اس مکمل وجود عطا فرمایا، پھر اسے اپنے فرائض بجالانے کی ہدایت کی۔

اِنا کل شیٔ خلقنہ بقدرٍ ہم نے ہر چیز کو اندازۂ خاص پر پیدا کیا ہے نیچرل فلاسفی کا یہ قول خلاق عالم کے انہی ارشادات کی تفسیر ہے کہ "طبیعت اپنی حد سے کبھی نہیں بڑھتی"

بے شک انسان فطرتاً آزاد ہے اور یہ آزادی اسکے ہر ارادی اور غیر ارادی فعل سے ظاہر

ظفر برادرز

بنک سکوئر — دی مال — لاہور

اہتمام

ظفر احمد قریشی

پرنٹر و پبلشر

مالک — شمیم بکڈپو

اظہر احمد قریشی نے منصور پریس سے چھپوا کر شمیم بکڈپو لاہور سے شائع کی

بالکل باہر ہے کہ وہ عورت کے طبعی فرائض میں حصّہ لیں۔ اسی طرح عورت کی طاقت سے بھی یہ امر باہر ہے کہ وہ مردوں کے علمی و تمدّنی مشاغل میں شریک ہو۔

نوعِ انسانی کی تکثیر اور حفاظت کیلئے قدرت نے مسلسل چار دَور قرار دیئے ہیں۔ حمل[۱]۔ وضع[۲]۔ رضاعت[۳]۔ تربیت[۴]۔ ان میں سے ہر ایک دَور کا زمانہ عورت کی زندگی کا نہایت اہم اور دشوار زمانہ ہوتا ہے۔ اس کی حفاظت اور صحت کے لیے خاص خاص احتیاطوں اور علاجوں کی ضرورت پڑتی ہے جن میں اگر کسی قسم کی کمی کی جائے تو سخت خطروں اور شدید بیماریوں میں مبتلا ہونے کا خوف ہوتا ہے۔ عالموں کی کچھ خصوصیت نہیں جاہل شخص بھی اس امر کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ متاہل اور صاحبِ اولاد ہو کہ ان چار زمانوں اور بالخصوص ابتدائی تین زمانوں میں عورت کی زندگی کو کن کن خوفناک خطروں کا سامنا ہوتا ہے کسطرح وہ بعض وقت اپنی زندگی سے مایوس ہو جاتی ہے اور کسطرح ان مصیبتوں سے سخت مشکلوں کے بعد نجات پاتی ہے علم طب کا بہت بڑا حصّہ چار دوروں کے لوازم احتیاط اور قوانینِ صحت کے متعلق مختلف مباحث سے تعلق رکھتا ہے۔ قدیم و جدید زمانے کے سیکڑوں عالموں اور تجربہ کار ڈاکٹروں نے اپنی عمریں صرف کر کے اس مسئلہ کی مشکلات اور مصائب دُور کرنے کیلئے کتابیں تصنیف کی ہیں جنکے مطالعہ سے ان چاروں دَوروں کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ انسان کی جہالت کا اصلی مبدا انہی زمانوں کی بے احتیاطی ہے اور انسانی خوبیوں کا حقیقی سرچشمہ بھی ان ہی زمانوں کی حفاظت ہے۔

زمانۂ حمل جس کی مدت عام طور پر نو ماہ قرار دی گئی ہے، عورت کیلئے ایک ایسا نازک زمانہ ہوتا ہے جس میں وہ گھر کے فرائض ادا کرنے کے قابل بھی نہیں ہوتی۔ اس کی ہر معمولی سے معمولی حرکت کا اثر نہ صرف اس کی ذات تک محدود رہتا ہے بلکہ اس میں وہ نازک اور ضعیف وجود بھی شامل ہوتا ہے جس کی حفاظت اور تربیت قدرت نے اسکے سپرد کی ہے۔ اس نو مہینے کے

ہوتی ہے، لیکن آزادی کو تسلیم کرتے ہوئے اس امر کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ انسان کا اپنے حقیقی فرائض کو ادا کرنا نظام تمدن کا اصلی عنصر ہے۔ انسان ان مختلف قوتوں کے مجموعے کا نام ہے جن میں بعض قوتیں اگر صفات حسنہ کی طرف آمادہ کرتی ہیں تو بعض قوتیں برائیوں کیلئے ترغیب دیتی ہیں۔ اس میں سیکڑوں خواہشیں اس قسم کی موجود ہیں جن کے اثرات میں محیط ہو کر وہ عقل و تمیز کو کھو بیٹھتا ہے تعلیم اور سوسائٹی پر خارجی اثر لبسا اوقات ان طبعی قوتوں کے اثرات کو قوی اور تیز کر کے اس طرح پر اپنا تسلط قائم کر لیتا ہے کہ جمادات و نباتات کی طرح مجبور محض ہو کر انہی کے اشاروں پر چلتا اور انہی کی تحریک پر ہر کام کیلئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں نہ اسے اپنے فرائض یاد رہتے ہیں نہ دوسرے کے فرائض کی کچھ پروا کرتا ہے، ظاہر ہے کہ اس تسلط سے نکلنے کیلئے نہ علم و فضل کام آسکتا ہے نہ فلسفہ و عقلیات کی تعلیم کچھ مدد کر سکتی ہے۔ اس لیے تمدن اور مذہب نے انسان کی فطری آزادی کو ایک خاص حد تک مقید کر دیا گیا ہے۔ ہر گروہ کے طبعی فرائض تشخیص کیے ہیں اور انہی فرائض کے میدان میں اسے محدود کر دیا ہے۔ ان فرائض کے لحاظ سے جس حد تک آزادی حاصل کرنے کا وہ مستحق ہے اسے بخشی ہے، اور جو آزادی ان کے فرائض میں خلل انداز ہوتی ہے اسے قطعی جرم قرار دیا ہے۔ اب اس اصول کو ذہن نشین کر کے عورتوں کی حالت پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ ان کے طبعی فرائض کیا ہیں؟ ان فرائض کے لحاظ سے وہ کس آزادی کی مستحق ہیں اور کون سی آزادی ان کو فرائض منصبی سے باز رکھ سکتی ہے۔

عورت کو قدرت نے دنیا میں جس غرض سے مخلوق کیا ہے وہ غرض نوع انسان کی تکثیر اور اس کی حفاظت و تربیت ہے پس اس حیثیت سے اس کا قدرتی فرض یہ ہے کہ اس اہم فرض کی انجام دہی کیلئے ہمیشہ کوشش کرتی رہے۔ اس فرض کی انجام دہی کیلئے جن اعضاء اور اعضاء میں تناسب کی ضرورت تھی قدرت نے اسے عطا کیے ہیں۔ جس طرح مردوں کی طاقت سے یہ امر

سے حفاظت ہو سکتی ہے جو لبسا اوقات عورت کے لیے باعثِ موت ہو جاتے ہیں۔
یہ وقت عورت کیلئے جس قدر نازک اور سخت ہے اس کا متاہل شخص اندازہ کرسکتا ہے
ہر سال دُنیا میں ہزاروں جانیں صرف اس لیے ضائع ہو جاتی ہیں کہ قوانینِ طبیہ کے مطابق
وضع حمل کے موقع پر احتیاط اور حفاظت نہیں کی جاتی۔

رضاعت ۔ تیسرا دَور رضاعت کا زمانہ ہے ۔ یہ زمانہ اگرچہ ماں کیلئے اس درجہ سخت
اور دشوار نہیں جس قدر ابتدائی دَور ہوتے ہیں ۔ لیکن بچّہ کیلئے سب سے زیادہ خطرناک اور غیر معمولی
توجّہ کا محتاج ہوتا ہے ۔ اس زمانے کی حفاظت کیلئے خاص قواعد اور قوانین ہیں جن کی تعمیل
میں اگر کسی قسم کی کوتاہی ہوتی ہے تو بچّہ کی جان یا تو خطرہ میں پڑ جاتی ہے یا ہمیشہ کیلئے کوئی جسمانی
اور دماغی نقص پیدا ہو جاتا ہے ۔ ایّام رضاعت میں ماں کی احتیاط اور قواعد طبّی پر عمل اس لیے ضروری
ہے کہ جس قسم کی غذا اس کے استعمال میں آتی ہے اسی قسم کا اثر بچہ پر مرتب ہوتا ہے ۔ اگر ماں گرم غذا کا (اعتدال اور زیادہ سے)
زیادہ استعمال کرتی ہے تو اس کا مضر اثر جس طرح خود ماں پر پڑتا ہے اسی طرح بچہ بھی متاثر ہوتا ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض بچے نہایت
سخت بیماریوں میں اسلئے مبتلا ہوتے ہیں کہ ایام رضاعت میں ماں بے احتیاطی سے بعض مولد لمراض
چیزوں کو استعمال کر لیتی ہے ان کا مُضر اثر دُودھ کے ذریعے سے بچے تک پہنچتا ہے اور
مختلف امراض کا باعث ہوتا ہے۔

علاوہ اس کے بچے کی جسمانی شگفتگی اور دماغی صحّت اس پر موقوف ہے کہ یوم ولادت سے
آخر ایام رضاعت تک غذا میں، لباس میں، اور صفائی میں کسی قسم کی بے احتیاطی نہ کی جائے اور ایک
لحظہ بھی بچّہ پر ایسا نہ گزرے کہ ماں کی اس حالت سے غافل ہو۔ ہمارے ملکوں میں ہزاروں بچے
نشوونما پانے سے پہلے اس دُنیا سے مُنہ موڑ لیتے ہیں کہ انکی مائیں ان ضروری قواعد سے ناواقف اور بے خبر ہوتی ہیں۔

تربیت ۔ چوتھا دَور زمانہ تربیت ہے اور درحقیقت بلحاظ اہمیت کے اور بلحاظ ان اثرات

زمانے میں جنین پر مختلف دَور طاری ہوتے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک دَور کے خاص آثار اور علامات ہیں اور ہر علامت کے زمانہ میں خاص خاص احتیاطیں اور حفاظتیں ضروری ہیں زمانۂ حمل میں ماں کی ہر حالت سے جنین اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ اس کے ضعف و قوت، زندگی و موت کا دارومدار محض ماں کی احتیاط اور حفاظت پر ہوتا ہے۔

اطبائے جدید و قدیم کا قول ہے کہ زمانۂ حمل میں عورت کو نہایت شدت کیساتھ اپنے خیالات، مزاج اور افعال کی نگہداشت کرنی چاہیئے۔ ورنہ جس قسم کے حالات اس کو پیش آئیں گے جنین کی جسمانی اور دماغی حالت بھی اسی قسم کی ہو گی۔

یورپ کے سینکڑوں تجربوں سے بھی اس قول کی تصدیق ہے۔ مختلف بچوں کے عادات و اطوار اور جسمانی قوت کے مبداء کا سراغ لگایا گیا تو زمانۂ حمل کے حالات ثابت ہوئے۔ فرانس میں خوبصورت والدین کا بچہ جب سیاہ رنگ اور حبشیوں کی سی صورت پر پیدا ہوا تو ڈاکٹروں کو اس اختلاف پر سخت حیرت ہوئی تحقیق سے ثابت ہوا کہ زمانۂ حمل میں ماں کی نشست کے سامنے میز پر ایک حبشی کا اسٹیچو رہا کرتا تھا جس کی سیاہیت اور رنگ کا اثر نگاہوں کے ذریعہ دماغ میں پہنچا اور ذہن کو اس طرف غیر معمولی توجہ ہوگئی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بچے کو والدین کی صورت سے کوئی تعلق نہ رہا اور اسی حبشی کی ڈیل ڈول پر پیدا ہوا۔[1]

وضع حمل:۔ وضع حمل کا وقت زمانۂ حمل سے زیادہ سخت اور صعب ہوتا ہے جس میں عورت کی زندگی موت سے نہایت قریب ہو جاتی ہے۔ وضع کے بعد عورت نہایت سخت بیماری اور حقیقی ضعف میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ جس کا اثر مدت تک زایل نہیں ہوتا اور صحت کے بعد عورت کی زندگی از سر نو شروع ہوتی ہے۔ اطبّا نے نہایت ضخیم ضخیم کتابیں اس وقت کے قواعد صحت اور قوانین احتیاط پر تصنیف کی ہیں اور وہ علاج بتائے ہیں جن سے ان مختلف اقسام کے بخار ول

---

[1] التوضیح فی اصول التشریح مطبوعہ بیروت ۹۲

کی ترقی کا بڑا راز تاریخ بتلاتی ہے کہ قومی افراد کی یہی ابتدائی تربیت ہے جو انسان اپنی زندگی کے ابتدائی حصہ میں صرف ماں کی کوشش اور توجہ سے حاصل کر سکتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جس گروہ کا قدرتی فرض ایسے اہم اور دشوار مرحلوں کا طے کرنا ہے کیا وہ دنیا کی تمدنی کشمکش میں شریک ہو سکتا ہے؟ اور کیا اس قسم کی شرکت اس کے طبعی فرائض میں حارج نہ ہوگی؟ فرض کرو کہ ایک عورت علم و تدبر کے اعلیٰ درجہ تک ترقی کر کے کسی پارلیمنٹ میں ممبر یا کسی سیاسی گروہ کی ایک رکن ہو گئی ہے لیکن ساتھ ہی تاہل اور معاشرت کے طبعی نتائج نے اس کو زمانۂ حمل کی صعوبات میں بھی مبتلا کر دیا ہے۔ تو ایسی حالت میں وہ اپنی پارٹی کی حمایت اور سیاسی منافع کے میل کی تدابیر پر غور کریگی اور شب و روز اسی فکر میں سرگرم رہے گی یا ان تدابیر صحت اور قوانین احتیاط پر عمل کرے گی جن کی تعمیل میں ذرہ سی کمی اسکی اور جنین کی ہلاکت کا باعث ہو جاتی ہے اسکا قدرتی فرض تو یہ ہے کہ اس دور کا تمام زمانہ ان افکار اور اعمال میں گزار دے جن کا اثر جنین کی جسمانی و دماغی ساخت کیلئے مفید ہو لیکن سیاسی ضرورتیں اسکو مجبور کرتی ہیں کہ وہ پریشان کن دماغ اور نہایت تلخ و ناگوار افکار میں مبتلا ہو کر سخت بے چینی اور بے اطمینانی میں یہ زمانہ صرف کر دے تو کیا ایسی حالت میں یہ شرکت اس کے قدرتی فرض میں خلل انداز نہ ہوگی اور کیا اس کی صحت کیلئے مضر نہ ہوگی؟ اس مثال پہ موقوف نہیں۔ فرض کرو کہ ایک عورت نے قانونی تعلیم کو بدرجۂ کمال حاصل کر کے ایک کامیاب بیرسٹر کی صورت میں آپکو پبلک پر ظاہر کیا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی گود میں ایک ننھا سا وجود بھی اس کی توجہ اور محبت کے انتظار میں اسکی صورت کو تک رہا ہے۔ ایسی حالت میں اسکا دن بھر کسی جرم کی مدافعت میں اور ان قانونی پہلوؤں کی تلاش میں جو اس کے مؤکل کے لیئے مفید ہوں مصروف رہنا اور شب بھر سندوں اور حوالوں کی جستجو میں قانون کی ضخیم ضخیم کتابوں کی ورق گردانی میں منہمک رہنا کہ صبح کو مقدمہ کی پیشی ہونیوالی ہے کیا اس کو ایام رضاعت کے نازک

کے جن پر انسانی زندگی کی تمام آئندہ خوبیاں منحصر ہیں، پہلے تینوں دوروں سے زیادہ خطرناک اور بہت زیادہ قابلِ توجہ ہے۔

بچہ جب عالمِ غیب سے یکایک دنیا میں قدم رکھتا ہے تو ایک ایسے آئینے کیطرح ہوتا ہے جس کی سطح بالکل صاف اور ہر قسم کے اثرات قبول کرنے پر آمادہ ہوتی ہے نہ کسی کا عکس اس میں نظر آتا ہے اور نہ کسی کی تصویر اس پر منقش ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں جس قسم کا عکس اس پر ڈالا جاتا ہے ہمیشہ کیلئے قائم ہو جاتا ہے۔ اگر خوشنما نقش و نگار سے اسکی سطح مزین کی گئی تو ہمیشہ کیلئے وہ آئینہ خوبصورت ہو گیا۔ اگر بدقسمتی سے کسی ناواقف اور جاہل نے ٹیڑھی سیدھی لکیریں کھینچ دیں تو ہمیشہ کیلئے بدنما ہو گیا۔ اس کی صاف و شفاف سطح سیاہ و سفید سے محض بےخبر ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو کسی رنگ کے قبول کرنے میں انکار نہیں ہوتا اور جس مصور کے ہاتھ قدرت نے اسے سپرد کر دیا ہے اس کی ہر رائے کے آگے سرِ تسلیم جھکا دیتی ہے۔

یہی حال اس تازہ وارد مسافر کا ہوتا ہے جس کیلئے دنیا اور دنیا کی ہر بات بالکل نئی ہوتی ہے۔ اسکے کان جسطرح فضائلِ انسانی سے ناآشنا ہوتے ہیں اسی طرح رذائلِ انسانی سے بےخبر ہوتے ہیں وہ نہیں جانتا کہ رحم کیا چیز ہے اور ظلم کس کو کہتے ہیں۔ نہ اس کو اس کی خبر ہوتی ہے کہ علم انسانی خوبیوں کا سرچشمہ ہے اور جہل تمام برائیوں کا مخزن ہے اس کا سادہ ذہن آئینہ کیطرح ہر قسم کے نقش و نگار سے خالی ہوتا ہے۔ مگر ہر اثر کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کی شفیق ماں اس کی فطری مصور ہوتی ہے جس کی توجہ اور تربیت یا تو اخلاقی محاسن کا نقش اس کے دماغ پر نقش کالحجر کر دیتی ہے یا تمام رذائلِ انسانی کا عادی بنا کر نہ صرف اس کی بلکہ سوسائٹی کے ہر فرد کی زندگی ہمیشہ کیلئے تلخ کر دیتی ہے اسی زمانہ میں وہ اثرات انسان کی طبیعت ثانیہ ہو جاتے ہیں جن کو نہ اعلیٰ تعلیم کا اثر زائل کر سکتا ہے نہ ساری عمر کی جدوجہد و کوشش کھو سکتی ہے۔ قوموں

سینکڑوں دقتیں اور مشکلیں پیدا ہو جاتی ہیں اس لیے عورت کے طبعی فرائض کا اقتضا اس خیال کا بالکل مخالف ہے کہ اس کو مردوں کے فرائض میں شریک کیا جائے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جہاں جہاں اس خیال کی تائید کی گئی اور عورتوں کو مردوں کے میدان میں قدم رکھنے کی اجازت دی گئی وہاں بالکل کامیابی نہیں ہوئی اور معاشرت میں ہزاروں خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ کیونکہ یہ قدرت کا قانون ہے اور کوئی انسانی کوشش اس کے خلاف کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

پس ہمارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ ہم ہمیشہ کوشش کرتے رہیں کہ عورت اپنے طبعی فرائض کے میدان میں محدود رہے اور ان فرائض کو قدرت کی ہدایت کے مطابق انجام دے اور اگر ہم دیکھیں کہ عورت اپنے طبعی فرائض سے دور ہی رہے تو اس کو ایک تمدنی مرض سمجھیں اور اس کے علاج کیلئے جدوجہد کریں۔ کیونکہ عورت فلسفہ و علوم کے ہزار مرحلے طے کرے مگر اپنے طبعی وظیفہ سے غافل رہے تو غیر ممکن ہے کہ وہ علم و فضل اس کے لیے یا سوسائٹی کے لیے مفید ہو سکے۔

عورتوں کی آزادی کے متعلق پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے :-

"انسان فطرتاً آزاد ہے۔ پھر وہ کونسا معیار ہے جسکی بنا پر عورتیں اس آزادی سے محروم رکھی جاتی ہیں؟" اس اعتراض میں یہ امر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کہ عورتیں آزادی سے محروم ہیں لیکن جب سوال کیا جاتا ہے کہ کیونکر؟ تو جواب میں دو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں:-

۱- عورتوں کو تعلیم نہیں دیجاتی۔ دنیا کے عام تمدنی اور سیاسی مشاغل میں شریک نہیں کیا جاتا۔

۲- انکو پردہ میں تقید کے ساتھ رکھا جاتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مردوں کی طرح آزاد نہیں ہیں۔

قاسم امین بک نے بھی ان ہی دو دلیلوں پر زور دیا ہے اور مختلف واقعات پیش کر کے ثابت کر دیا ہے کہ پردہ میں عورتوں کو مقید رکھنا اور مردوں کی طرح عام تمدنی مشاغل میں شریک نہ ہونا عورتوں کی غلامی اور فطری آزادی سے محرومی کا بین ثبوت ہے [1]

فرائض سے باز نہ رکھے گا؟ اور کیا اپنی پوری توجہ اور قوت کو جُرم کی مدافعت کی کامیابی کیلئے صرف کر دینا اور اسی فکر و کوشش میں رہنا اس کو بچہ کی نگہداشت اور تربیت سے غافل رہنے پر مجبور نہیں کرے گا؟ عورت کے **طبعی فرائض** کی ہدایت تو یہ ہے کہ یوم ولادت سے لیکر آخر ایام طفولیت تک بچے کی ہر حرکت اور ہر فعل کی نگہداشت کرے عمدہ خصائل کا اسے عادی بنائے۔ بُری عادتوں سے محفوظ رکھے لیکن اس بدقسمت بچہ کا کیا حال ہوگا جب اس کی بیرسٹر ماں عدالت میں فریق مخالف پہ جرح کر رہی ہوگی اور اس کا شیرخوار بچہ اسکی توجہ اور تربیت کا منتظر جھولے میں پڑا ہوگا؟ یا اس بدنصیب بچہ کی صحت اور زندگی کس حالت میں ہوگی جب وہ صالح اور مفید دُودھ کا محتاج ہوگا اور اس کی مدبر اور پارلیمنٹ کی ممبر ماں لبرل پارٹی کی حمایت کے خیال میں رات دن مستغرق اور مختلف جدوجہد میں منہمک ہوگی؟ اور ناکامی کے افعال و افسوس نے دُودھ میں فساد پیدا کر کے بچے کی طبعی غذا کو اس کیلئے مضر اور خطرناک بنا دیا ہوگا؟ کیا یہ اور اس قسم کی ظاہر مثالیں اس امر کے سمجھنے کیلئے کافی نہیں کہ قدرت نے عورت کو مردوں کے مشاغل سے الگ رکھا ہے اور اس کے طبعی فرائض اس قدر مصروفیت طلب اور محتاج توجہ ہیں کہ عورت کا مردوں کے ساتھ شریک ہونا بغیر اس کے محال ہے کہ وہ طبعی فرائض کی ادائیگی سے بے خبر یا دستبردار ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ قدرت نے دُنیا کے کاموں کے خود ہی دو حصّے کر دیئے ہیں نوعِ انسانی کی حفاظت اور تکثیر اور انسانی ضروریات کا انتظام پہلا کام عورت کے ذمّے قرار دیا گیا۔ اس لیے اس کو اسی قسم کے اعضاء اور اسی قسم کی جسمانی قوت دی گئی جو اس فرض کی انجام دہی کے لیے ضروری ہیں۔ دوسرا کام مرد کے متعلق کیا گیا۔ اس لیے اسی کے مطابق جسمی اور دماغی طاقت عطا کی گئی۔ ان دونوں گروہوں کا الگ الگ کام دنیا کا مجموعی تمدن قائم رکھتا ہے اور جب اختلاف کے اٹھانے کی کوشش ہوتی ہے یا کوئی گروہ اپنے فرائض سے باہر قدم نکالتا ہے تو تمدّن اور معاشرت کے انتظام میں خلل پڑ کر

خیالات، اعمال اور ارادے میں مستقل بالذات ہو۔"

جب مذہب اور تمدن کی قید ضروری اور مسلم ہے تو ناظرین اس امر کا فیصلہ آسانی سے کر سکتے ہیں کہ کیا عورتوں کا طبعی وظیفہ اس امر کا مقتضی ہے کہ ان کو مردوں کے تمدنی اور سیاسی مشاغل میں شریک کیا جائے؟ اور کیا مذہب اور تمدن کے مصالح اقتضائے فرائض کے لحاظ سے عورتوں کو ایک خاص حد تک مقید رکھنا ضروری نہیں قرار دیتے؟

یورپ کے مشہور مصنفوں نے جو اقوال تیسری فصل میں درج کئے جائیں گے ان کے دیکھنے کے بعد تم خود اندازہ کر لو گے کہ یہ صرف ہماری ہی تنہا رائے نہیں ہے بلکہ یورپ کے تمام چیدہ مصنفین اس مسئلہ میں ہمارے ہم زبان ہیں۔ ان کی متفقہ آواز پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ:۔

"عورتوں کا طبعی فرض نوع انسان کی حفاظت اور تربیت ہے اس دائرے سے عورت جب قدم باہر نکالتی ہے تو عورت نہیں رہتی۔ بلکہ عورت اور مرد کے علاوہ ایک تیسری جنس کا نمونہ بن جاتی ہے"۔

وہ یورپ کی عورتوں کو عورت تسلیم کرنے میں تامل ظاہر کرتے ہیں اور آزادی اور آزادی کی خواہش کو ایک خالص خبط اور نری وحشت قرار دیتے ہیں۔

مرد اور عورت جسمانی اور دماغی قویٰ میں برابر ہیں!

سر قضا کہ در تحقیق غیب منزلیست مستانہ آمش نقاب ز رخسار برکشیم

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یورپ میں عورتیں اس کوشش میں مصروف ہیں۔ کہ مردوں کے تسلط سے نکل کر بالکل آزاد ہو جائیں اور اپنے آپ کو جسماً اور عقلاً ان کے برابر ثابت کر دیں تو ہم کو سخت افسوس ہوتا ہے اور یہ افسوس اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ خیال مصر اور ناقص تعلیم

ہم نے اسکے جواب میں ہدورازکار بحثوں سے چشم پوشی کرکے صرف عورتوں کے طبعی فرائض پیش کردیے ہیں جنکو تم پہلی فصل میں پڑھ آئے ہو۔ اس پر ایک نظر ڈالو اور غور کرو کہ قاسم امین بک کا خیال کہاں تک صحیح ہے؟ پہلی دلیل کا جواب ظاہر ہے کہ جس گروہ کے طبعی فرائض ایسے اہم اور دشوار ہوں کیا وہ مردوں کی طرح عام تعلیم حاصل کرکے دنیا کی تمدنی اور سیاسی کشمکش میں شریک ہو سکتا ہے؟ عورتوں کو مردوں کے جبر نے ان مشاغل سے دور نہیں رکھا۔ بلکہ خود فطرت نے مردوں کی دنیا سے عورتوں کو الگ کر دیا ہے اس لیے اعتراض قدرت پر ہونا چاہیئے نہ کہ مردوں پر۔

پردہ کی بحث مستقل عنوان سے آگے آئیگی لیکن عورتوں کے طبعی فرائض پر نظر کرتے ہوئے کہ کیا اس امر کے تسلیم کرنے میں کسی کو عذر ہو سکتا ہے کہ مردوں کی نسبت عورتوں کو ایک خاص حد تک تقید میں رہنا چاہیئے۔ قدرت نے ہر گروہ کے فرائض مقرر کر دیئے ہیں اور اقتضائے فرائض کے لحاظ سے ایک خاص حد تک مقید بھی کر دیا ہے۔ مذہب اور تمدن کا دنیا میں یہی کام ہے اس بنا پر اگر عورتوں کی آزادی کو کسی معتدل حد تک مقید نہ کیا جائے تو طبعی فرائض کی انجام دہی میں سخت خرابیاں پیدا ہو جائیں۔

عورتیں اور مرد دو مختلف گروہ ہیں۔ اس لیے ان دونوں کے میدان عمل کو الگ الگ کر کے پردہ کو بیچ میں حدِ فاصل قرار دیا گیا تاکہ ہر گروہ اپنے میدان عمل میں محدود رہے۔ اس حدِ فاصل کے اٹھانے کی جب کوشش کی جاتی ہے تو تمدن و معاشرت کی بنیادوں میں حرکت پیدا ہو کر دنیا کو خبردار کر دیتی ہے کہ عنقریب عمارت گرنے والی ہے۔ اس امر کے ثبوت کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ یورپ کی موجودہ حالت کافی ہے۔

قاسم امین بک نے آزادی کی تعریف ان جملوں میں کی ہے "آزادی سے ہماری غرض یہ ہے کہ مذہب اور تمدن نے جو حدود قائم کر دیئے ہیں ان سے واقف ہونیکے بعد انسان اپنے

ہمارے اس دعوے کی تصدیق پروفیسر فرش لو اور مے تن چازو جیسے علماء کے اقوال سے ہو سکتی ہے۔ آخر الذکر محقق فزیالوجی کا پروفیسر اور اٹلی اکاڈمی کا ممبر ہے فرش لو لکھتا ہے کہ:۔
میں نے ایک عرصہ تک علم ریاضی، اخلاق اور فلسفہ کی تعلیم دی ہے۔ میرے شاگردوں میں ایک بڑی تعداد عورتوں کی بھی تھی۔ مگر میں نے تعلیمی ترقی کے لحاظ سے عورتوں میں کسی قسم کا دماغی ضعف نہیں پایا اور مجھ پر ہمیشہ یہی ثابت ہوا کہ مرد اور عورت کے راؤں دماغی قوی میں ذرہ بھر فرق نہیں ہے۔

مے تن چازو اپنی کتاب "عورتوں کی فزیالوجی" میں لکھتا ہے کہ:۔
تشریحی تحقیقات کی رو سے عورت اور مرد میں کسی قسم کا فرق ثابت نہیں ہوتا۔ پھر ان دو راؤں کی بنا پر یہ دعوے کیا ہے کہ:۔
علم فزیالوجی کے وہ مشہور اور باعظمت علماء جو نہایت باریک نگاہ عورتوں کی جسمانی اور دماغی حالت پر رکھتے ہیں۔ اس امر پر متفق ہیں کہ عورت تمام قوائے عقلیہ میں مرد کے برابر کا درجہ رکھتی ہے۔

ان اقوال اور دعاوی کو دیکھکر ہر شخص یہی رائے قائم کریگا کہ یورپ کے مشاہیر علماء عورت کو مرد سے کسی بات میں کم نہیں سمجھتے اور قوائے عقلیہ کے لحاظ سے دونوں کو ایک درجے میں رکھتے ہیں۔ مگر درحقیقت یہی وہ دھوکا ہے جس میں ہندوستان کی ہر نئی جماعت مبتلا ہے اور جس کی وجہ محض کوتاہ نظری اور معلومات کی کمی ہے اگر دو راؤں کے مقابلہ میں یورپ کے محقق علماء کی رائیں دیکھی جائیں تو معلوم ہو جائے کہ یورپ کا فاضل ترین حصہ ہرگز اس خیال کو تسلیم نہیں کرتا۔ ہم ان دو قولوں کے مقابلہ میں بیسیوں اقوال پیش کریں گے اور ان لوگوں کے جو آج یورپ میں موجودہ نیت کے مجدد ـــ بہترین مصنف اور فلسفہ حسی کے جلیل القدر عالم تسلیم کیے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے عورت کے جسمانی ضعف پر نظر ڈالو اور غور سے دیکھو کہ تاسم امین بک اور اس کے ہم خیال لوگوں کا دعوئ مساوات کہاں تک صحیح ہے؟

کے ذریعہ مغرب سے مشرق کی طرف قدم بڑھ رہا ہے اور بعض نادان اور سادہ لوح اس کی ظاہری صورت کی مصنوعی دلفریبی پر شیفتہ و فریفتہ ہو کر اس کے خیر مقدم کا سامان کر رہے ہیں اس لیے ہم اس فصل میں علمی دلائل پیش کر کے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عورتوں کی مفروضہ آزادی کا خیال اور مساوات کا خبط محالات کے اقسام میں سے ایک ایسی قسم ہے جس کی طرف اُس شخص کا ذہن منتقل ہو سکتا ہے جو حواس کی بدولت برباد کر چکا ہو اور دیوانگی اور جنون کے دیو کا رُعب اُس کے دل و دماغ کو معطل کر چکا ہو۔ ہم یورپ کے مشاہیر عقلاء اور سربرآوردہ علماء کی سائنٹفک رائیں نقل کر کے بتلانا چاہتے ہیں کہ جو شخص اس خیال کی کامیابی کیلئے کوشش کرتا ہے اس کی مثال بعینہٖ اس مجنوں کی سی ہے جس کے سر میں قوانین قدرت کے تغیر و تبدل کا سودا سما جائے اور وہ اپنی قیمتی جد و کوشش اس اَن ہونی اور عبث بات کے لیے صرف کر دے۔

قاسم امین بک نے المراۃ الجدیدہ میں جا بجا اس امر پر زور دیا ہے کہ یورپ نے غفلت کے اس قدیم پردے کو اپنی علمی تحقیقات سے چاک کر دیا ہے جس نے اس وقت تک عورتوں کی اصلی حالت کو پوشیدہ رکھا تھا۔ علم تشریح ۔ فزیالوجی کی تحقیقات اور تجارت نے ثابت کر دیا کہ مردوں اور عورتوں میں کسی قسم کا جسمانی یا دماغی فرق نہیں ہے اور جو علمی کام مرد کے قوائے ذہنی انجام دے سکتے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح ایک عورت بھی انجام دے سکتی ہے۔

صرف قاسم امین بک ہی کا یہ دعویٰ نہیں ہے بلکہ جب کبھی عورتوں کی آزادی کا مسئلہ پیش ہوتا ہے تو فریق مخالف کی طرف سے عموماً یہی دعویٰ پُر زور لفظوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے ہمارا ایک اہم غرض یہ بھی ہے کہ اس دعوے کی قطعی صداقت کا فیصلہ کر دیں۔

قاسم امین بک نے اس دعوے کے ثبوت میں صرف دو قول پیش کیے ہیں چنانچہ وہ لکھتا ہے یہ

ہے کیونکہ یہ موثرات اس کے تصویر پر اس طرح اثر ڈالتے ہیں کہ عقل کو ان سے لگاؤ نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ان میں استقلال نہیں ہوتا۔ اور اسی لئے سخت و خوفناک موقعوں پر عورت ثابت قدم نہیں رہ سکتی۔

(۳) علمی تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے قد کا اوسط طول مرد کے قد کی اوسط درازی سے بارہ سنٹی میٹر کم ہے۔ یہ فرق کسی خاص ملک یا قوم سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ جس طرح وحشی اقوام میں پایا جاتا ہے اسی طرح متمدن ممالک میں بھی پایا جاتا ہے اور جوانوں کی طرح بچے بھی اس اختلاف کی شہادت دیتے ہیں۔

(۴) جس طرح عمر کے اوسط میں فرق پایا جاتا ہے۔ اسی طرح جسم کے وزن اور ثقل میں بھی اختلاف ہے۔ مرد کے جسم کا متوسط ثقل سنتیالیس کیلو ہے۔ مگر عورت کے جسم کا متوسط ثقل بیالیس کیلو اور نصف سے کسی حالت میں زیادہ نہیں ہوتا۔ یعنی عورت کے جسم کا ثقل مرد کے ثقل سے پانچ کیلو کم ہوتا ہے۔

(۵) عضلات کے حجم و قوت کے لحاظ سے بھی عورت مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ڈاکٹر وجدی فاریدی انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ:۔

مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو عورت کے جسم کے عضلات مرد کے جسم سے اس درجہ مختلف ہیں اور حجم و قوت کے لحاظ سے اول الذکر کے عضلات اس قدر ضعیف ہیں کہ اگر انکی طبعی قوت کے تین حصے کئے جائیں تو دو حصے قوت مرد کے حصے میں آئیگی اور صرف ایک حصہ قوت عورت میں ثابت ہوگی۔ عضلات کی حرکت کی سرعت اور ضبط کا بھی یہی حال ہے۔ مرد کے عضلات جسمی عورت کی نسبت حرکت میں زیادہ تیز اور اپنے فعل میں زیادہ قوی ہیں۔

(۶) قلب۔ جو انسانی زندگی کا اصلی مرکز ہے اسی طرح اس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ علمی تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ عورت کا قلب مرد کے قلب سے ساٹھ ڈرام چھوٹا اور خفیف ہوتا ہے۔

(۷) سرعت تنفس کے لحاظ سے بھی عورت اور مرد میں عظیم الشان اختلاف ہے۔ علمی تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ سانس کے ذریعے سے کاربونک ایسڈ کے جو ذرات باہر آتے وہ اندرونی حرارت

عورت کا جسمانی ضعف (۱) علم تشریح کی تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ مرد کی جسمانی حالت عورت کی نسبت بہت زیادہ قوی ہے یہ جسمانی اختلاف محض قیاس اور ظن پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس یقینی درجہ تک پہنچ چکا ہے جس کو تسلیم نہ کرنا مشاہدات اور محسوسات کا انکار کرنا ہے اس جسمانی اختلاف کی بنا پر یورپ میں بعض علمائے تشریح عورت کو موجودہ زمانے کے ترقی یافتہ مرد کا حقیقی مقابل تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا خیال ہے کہ عورت اس قدیم مخلوق کی یادگار ہے جو ترکیب جسمانی اور خلقی کمزوری میں اس کے مشابہ تھا اور اسکے قوائے جسمانی و عقلی اپنے اصلی درجے تک نہیں پہنچے تھے۔ انسان کی مزاحمت نے اس مخلوق کو فنا کر دیا اور اس کی عورتوں پر غلبہ حاصل کر لیا اسی کی نسل سے موجودہ دور کی عورتیں پیدا ہوئیں (انسائیکلوپیڈیا بلفظ عورت)

(۲) انیسویں صدی کی انسائیکلوپیڈیا کا مصنف عورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

مرد عورت میں اعضائے تناسل کی ترکیب و صورت کا اختلاف اگرچہ ایک بڑا اختلاف نظر آتا ہے لیکن صرف یہی ایک اختلاف نہیں ہے۔ عورت کے اور تمام اعضاء سر سے پیر تک مرد کے اعضاء سے مختلف ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اعضاء بھی بظاہر آخر الذکر سے بے حد مشابہ نظر آتے ہیں۔ ہر علم تشریح کی تحقیقات کے موافق عورتوں کے اعضاء پر نہایت دقیق بحث کی ہے اور تمام بحث کا آخر میں یہ نتیجہ نکلا ہے:۔

درحقیقت عورت کی جسمانی ترکیب قریب قریب بچے کی جسمانی ترکیب کے واقع ہوئی ہے۔ اسی لیے تم دیکھتے ہو کہ بچے کی طرح عورت کا بھی حاسہ ہر قسم کے اثر سے بہت جلد اور بہت زیادہ متاثر ہو جاتا ہے بچے کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی رنج اور افسوس کا واقعہ پیش آئے تو وہ فوراً رونے لگتا ہے اور اگر کوئی خوشی کی بات ہو تو بے احتیاط ہو کر اچھلنے کودنے لگتا ہے قریب قریب یہی حال عورت کا ہے کہ بہ نسبت مرد کے بہت زیادہ اس قسم کے جذبات سے متاثر ہوتی

(ب) اسی طرح تجربہ سے ثابت ہوچکا ہے کہ عورت ہلکے براسک الیسٹک لو $\frac{1}{2000}$ کی نسبت سے اور مرد $\frac{1}{1000}$ سے محسوس کرسکتا ہے جو ضعف کی بیّن دلیل ہے۔

(ج) ذوق اور سمع کا خاصہ بھی عورت سے مرد کا بہت زیادہ قوی ہے۔ اسکے لئے کسی تشریحی دلیل کی ضرورت نہیں۔ انسائیکلو پیڈیا نے تصریح کردی ہے کہ اسی ضعف کا نتیجہ ہے کہ طعام کی عمدگی اور بدمزگی پہچاننے والے، آواز کے پرکھنے والے اور پیانو کی راگوں کے نقاد کل کے کل مرد ہیں۔ ایک عورت نے بھی خود کو ان باتوں میں باکمال ثابت نہیں کیا۔

(د) قوت لامسہ کے متعلق علامہ نومبرورر اور سیرجی وغیرہ استادوں کی متفقہ تحقیق ہے کہ عورت میں یہ قوت مرد کی نسبت بہت ضعیف پائی جاتی ہے۔ انکی محققانہ دلیل یہ ہے کہ جن آلام اور تکالیف کی متحمل عورت ہوتی ہے مرد اس قدر نہیں ہوسکتا۔ یہ ظاہر فرق بتلا رہا ہے کہ مرد کی نسبت عورت کی قوت احساس ضعیف بلکہ ضعیف تر ہے۔ علامہ نومبرورر کے اصلی الفاظ یہ ہیں حمل اور وضع کی شدید تکالیف پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ عورت دنیا میں کیسے کیسے آلام اور مصائب کی متحمل ہوسکتی ہے۔ اگر مرد کی طرح اس کا احساس قوی ہوتا تو ان تمام سختیوں کی کیونکر متحمل ہوسکتی؟ درحقیقت نوع انسان کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ قدرت نے اسکو قوی احساس سے محروم رکھا ہے۔ ورنہ بنی نوع انسان کے نازک اور تکلیف دہ فرائض کی انجام دہی ایک غیر ممکن بات ہوجاتی۔

قوت ادراک کا اصلی مرکز انسان میں "بھیجا" ہے۔ اسی کی کمی اور زیادتی اور ضعف و قوت پر ادراک کی تیزی اور سستی کا دارومدار ہے۔ لیکن جب علم سائکولوجیا[1] کے تجارب کو پیش نظر رکھ کر ہم غور کرتے ہیں تو اس میں بھی عورت ضعیف تر ثابت ہوتی ہے علم مذکور نے ثابت کردیا ہے کہ عورت کے بھیجے اور مرد کے بھیجے میں مادۃً اور شکلاً سخت اختلاف ہے مرد کے

---

[1] سائکولوجیا کا عربی ترجمہ مصنف نے "علم النفس یا التجارب" کیا ہے یہ وہ علم ہے جس سے انسان کے نفس اور دماغ کی اصلی ہیئت معلوم ہوتی ہے (دیکھو چیمبرڈکشنری صفحہ ۷۰۵)

کی گرمی سے بخارات بن کر سانس میں ملے ہوئے نکلتے ہیں۔ اس تجربہ کی بناء پر تحقیق کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مرد ایک گھنٹہ میں تقریباً گیارہ ڈرام کاربن کی مقدار جلا دیتا ہے مگر عورت چھ ڈرام سے کچھ زائد جلاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی حرارت عزیزی بھی مرد کے مقابلہ میں بہت کم یا نصف سے کچھ ہی زائد ہے۔ عورت کا دماغی ضعف، یہ تمام تحقیقات اور اقوال عورت کے جسمانی ضعف کو کن قطعی دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں۔ تاہم ایں پبلک کے دعوئے مساوات پر کس قسم کا اثر ڈالتے ہیں؟ اس کا فیصلہ ناظرین کی طبع سلیم پر چھوڑ کر اب ہم اس مسئلہ کے دوسرے پہلو پر متوجہ ہوتے ہیں۔ اور عورت اور مرد کا معنوی اختلاف اور اول الذکر کا دماغی ضعف وضاحت کے ساتھ دکھلاتے ہیں۔

(۱) مشہور نہلسٹ فلاسفر علامہ پرودھن اپنی کتاب اتبکار النظام میں لکھتا ہے:۔

"عورت کا وجدان بمقابلہ مرد کے وجدان کے اسی قدر ضعیف ہے جس قدر اسکی عقلی قوت مرد کی عقلی قوت کے مقابلہ میں ضعیف نظر آتی ہے۔ اسکی اخلاقی قوت بھی مرد کے اخلاق سے بالکل مختلف ہے۔ اور دوسری قسم کی طبیعت رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ جس چیز کے حسن و قبح کے متعلق وہ رائے قائم کرتی ہے وہ مردوں کی رائے سے مطابق نہیں ہوتی پس عورت اور مرد میں عدم مساوات کوئی عارضی امر نہیں ہے بلکہ عورت کی طبعی خاصیت پر مبنی ہے۔

حواس خمسہ جس پر انسان کی عقلی اور دماغی نشو و نما کا مدار ہے اس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ نیکولس اور علامہ بیلی نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے حواس خمسہ مرد کے حواس سے ضعیف تر ہیں۔

(۱) عورت کی قوت شامہ کی طاقت سے یہ امر باہر ہے کہ وہ ایک خاص فاصلہ سے عطر لیموں کی خوشبو محسوس کر سکے برخلاف مرد کے کہ اس کی قوت شامہ اس قدر قوی ہے کہ وہ اسی درجہ کی خوشبو کو آسانی سے محسوس کر لیتا ہے۔ جس سے دو چند مقدار کی خوشبو سے عورت کو احساس ہو سکتا ہے۔

شائستگی تعلیم و تمدن سے (جو عقلی نشو و نما کا باعث ہوتے ہیں) قطعی محروم ہیں۔ اگر انکو ایک طویل زمانے تک اس امر کا موقع دیا جائے کہ مردوں کی طرح تعلیم و شائستگی حاصل کریں اور قوائے عقلی کے زنگ کو دور کریں تو کیا عجب ہے کہ انکے دماغی قوائے ترقی کر کے مرد کے قوائے کے مساوی ہو جائیں۔ ورنہ ضعف جوان دونوں جنسوں میں مابہ الامتیاز قرار دیا جاتا ہے مفقود ہو جائے۔ چنانچہ قاسم امین بک نے بھی اس اعتراض کو پیش کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ:۔

"اس میں شک نہیں کہ آجکل عورت مرد سے ہر حیثیت میں کم نظر آتی ہے لیکن ہم کو غور کرنا چاہیئے کہ یہ اس کا طبعی اور خلقی ضعف ہے یا تربیت کی خرابی اور مدت کی غلامی نے اس کو اس ادنیٰ حالت تک پہنچا دیا ہے؟ پھر یورپ کے دو مصنفوں کے اقوال سے استشہاد کیا ہے۔ چنانچہ لاریٹ پروفیسر فزیالوجی لکھتا ہے:۔

"محض ان آثار اور نتائج کی بناء پر جو اس وقت تک عورت کے متعلق دریافت ہوئے ہیں اسکی طبیعت کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکتی ہے اگر عورت بھی اپنی فطری آزادی سے اسی طرح متمتع ہو جس طرح مرد اپنی آزادی کے مالک ہیں، اور عورت کو بھی اپنے عقل و شعور کی ترقی کے لیئے اتنی مدت دی جائے جتنی مدت مرد نے اپنی عقلی نشو و نما کے لئے صرف کی ہے تو اس وقت بیشک کسی قسم کا صحیح فیصلہ کیا جا سکتا ہے"۔

پروفیسر مے تن جا نو لکھتا ہے کہ:۔

"سب سے بڑا فرق جو مرد اور عورت کے دماغی قویٰ میں پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ وہ حالتِ غلامی ہے جس میں ایک زمانۂ دراز سے عورت گرفتار ہے عام طبیعتیں ممکن ہے کہ ان اقوال کے رعب میں آجائیں لیکن ہم پر ان کا جادو کارگر نہیں ہو سکتا۔ فزیالوجی اور سائیکالوجی کے محققانہ اصول پیشِ نظر ہیں اور وہ ثابت کر رہے ہیں کہ یہ اعتراض بھی مدافعت کے لیئے کافی نہیں۔

اول تو وہ قومیں جو زمانۂ دراز سے حالتِ وحشت میں زندگی بسر کر رہی ہیں اور جن کا ایک بڑا حصہ دنیا کے مختلف حصوں میں اب بھی موجود ہے اس اعتراض کی غلطی پر شاہد

بھیجے کے وزن کا اوسط عورت کے بھیجے سے سو ڈرام زیادہ ہے۔ اگر کوئی اس کے جواب میں کہے کہ یہ زیادتی عورت اور مرد کے جسمانی اختلاف پر مبنی ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہ تحقیق ہو چکا ہے کہ مرد کے بھیجے کی مقدار اس کی جسمی حالت سے وہ نسبت رکھتی ہے جو چالیس کے عدد کو ایک سے ہوتی ہے مگر عورت کا بھیجا اسکی جسمانی قوت سے چالیس اور ایک کی نسبت رکھتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر عورت کے بھیجے کی کمی جسمانی ضعف پر مبنی ہے تو مقابلۃً یہ اختلاف کیوں پایا جاتا ہے۔

۴۔ علاوہ اس کے عورت کے سر کے بھیجے میں خم و پیچ نہایت کم ہیں اور اس کے پردوں کا نظام بھی نامکمل ہے۔ علمائے سائیکولوجی نے اس اختلاف کو ان دونوں جنسوں کے ممیزات میں ایک اہم امر قرار دیا ہے۔

۵۔ اسی طرح مرد اور عورت کے بھیجوں کے جوہر سنجانی میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ جوہر سنجانی قوت ادراک کا نقطہ اور مرکز ہے اسلئے یہ اختلاف کوئی معمولی اختلاف نہیں ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب: ممکن ہے کہ ایک شخص ان تمام تشریحی دلائل کو دیکھکر یہ اعتراض کرے کہ جو دماغی اختلاف تم نے ثابت کیا ہے وہ نتیجہ ہے مردوں کے تسلط جبر، ظلم اور بے رحمی کا، ایک زمانۂ دراز سے عورتیں غلامی میں زندگی بسر کر رہی ہیں۔ اور تہذیب و

---

[1] مصنف نے دماغی قویٰ پر بحث کرتے ہوئے دماغ کے وزن اور مخیخ کے اختلاف پر قصداً یا سہواً توجہ نہیں کی۔ حالانکہ عورتوں کے اصلی ضعف کی بنا اسی اختلاف پر ہے۔ دماغ کے وزن کا اختلاف ہم آگے چل کر دکھلائیں گے لیکن بھیجے کی بحث میں مخیخ کے اختلاف کو جگہ دینی ضروری ہے۔ اصلاح تشریح میں آخری حصے کو مخیخ کہتے ہیں۔ مرد کے دماغ میں بھیجے کے ساتھ مخیخ کی نسبت (۱) اور ۸ کی ثابت ہوئی ہے۔ مگر عورتوں کے دماغ میں زیادہ سے زیادہ (۱) اور (۶½) کی نسبت ہوتی ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ مخیخ دماغ کے ان اجزا میں سے ہے جن کی مقدار کی زیادتی پر عقل اور فکر کی تیزی اور عمدگی کا دار و مدار ہے۔

(دیکھو التوضیح فی اصول التشریح صفحہ ۲۴۲)

حقیقت یہ ہے کہ مرد اور عورت کا جسمانی اور دماغی اختلاف ایک طبعی اختلاف ہے جسکی کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی۔ فرض کرلو کہ تشریح اور فزیالوجی کی یہ تمام دقیق بحث سر سے پیر تک غلط ہی ہے۔ یہ بھی تسلیم کرلو کہ اگر اختلاف پایا بھی جاتا ہے تو صرف اسی حد تک جس حد تک خارجی اثرات نے عورتوں کو ضعیف کردیا ہے لیکن اسکا کیا جواب ہوسکتا ہے کہ حیوانات اور نباتات کی طبعی حالت بھی اس اختلاف کی صاف شہادت دے رہی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ جہاں تک کیمسٹری کی علمی تحقیقات اور تجارب نے پتہ لگایا ہے۔ جمادات بھی اس اختلاف سے محفوظ نہیں۔ عموماً خرما کیلا کے درختوں میں جہاں نر اور مادہ کا امتیاز ثابت ہوا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ نر درخت کو مادہ درخت پر طبعی قوت کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہے۔ حیوانات میں نر کو جو تسلط اور غلبہ اپنی مادہ پر ہوتا ہے۔ اسکے لئے علمی دلائل کی ضرورت نہیں، روزمرہ کا مشاہدہ کافی ہے۔ نر اپنی مادہ کی خبرگیری اور حفاظت کرتا ہے۔ حمل کے زمانہ میں اسکو آرام سے رکھتا ہے۔ خود بھوکا رہکر اسکو ترجیح دیتا ہے۔ نسبتاً زیادہ محنت کرتا ہے۔ اس سے زیادہ یہ کہ مادہ سے نر کا قدوقامت عموماً زیادہ ہوتا ہے۔ تشریح نے ثابت کردیا ہے کہ نر کے جسمانی قویٰ خارجی اور داخلی اعضا مادہ سے بہت زیادہ قوی ہوتے ہیں۔ طب کا محققانہ اصول ہے کہ مادہ کی نسبت نر کا گوشت زیادہ قوی اور زیادہ طاقت بخش ہوتا ہے کیا یہ تمام باتیں اس امر کا بین ثبوت نہیں ہیں کہ مخلوقات میں جنس اناث اور رجال کا اختلاف خارجی اثرات کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ خود فطرت نے جسم و دماغ تقسیم کرتے ہوئے عورتوں کو مردوں سے کم حصہ بخشا۔ گذشتہ صفحات میں چند دلائل پیش کئے گئے ہیں اگر ثبوت دعوے کیلئے وہ کافی نہ سمجھے جائیں تو ابھی اور بیسیوں اختلافات دکھلائے جاسکتے ہیں۔

فزیالوجی کا یہ مسلم اصول ہے کہ انسان کی عقلی قوت و ضعف کا سرچشمہ دماغ ہے۔ احمقوں اور بیوقوفوں کا دماغ مشاہیر عقلاء کے دماغ سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ تجربہ سے ثابت ہوچکا ہے کہ جو لوگ زندگی میں احمق اور لایعقل مشہور تھے جب ان کے دماغ کو وزن کیا گیا تو تیئیس اوقیہ سے کسی حالت میں زیادہ ثابت نہیں ہوا۔ لیکن جن لوگوں کی عقل کی تیزی، ذہن کی سرعت، خیال کی بلندی عام طور پہ مسلم تھی۔ ان کے دماغ تولے گئے تو ساٹھ اوقیہ سے بھی وزن میں متجاوز

ہیں۔ ان میں اگر تعلیم اور تمدن نہیں ہے۔ تو کسی ایک جنس ہی میں نہیں ہے بلکہ مرد اور عورت دونوں میں نہیں ہے، ان میں اگر وحشت پائی جاتی ہے تو صرف عورتوں ہی میں نہیں پائی جاتی بلکہ مرد اور عورت دونوں میں پائی جاتی ہے پھر اگر یہ اعتراض صحیح ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ یہ جسمانی اور دماغی فرق متمدن ممالک کی طرح ان میں باہم پایا جاتا ہے۔ کیا افریقہ کی وحشی قوموں نے بھی عورتوں کو تعلیم اور شائستگی سے محروم رکھا ہے۔ کیا وحشت کے ساتھ ان میں یہ امتیاز پایا جاتا ہے؟

دوم یہ کہ اگر یہ اختلاف مردوں کے تمدنی مشاغل میں عدم مشارکت کا نتیجہ ہے اور اس پر مبنی ہے کہ عورتوں کو مردوں کے تسلط سے آزادی نہیں نصیب ہوتی تو سوال یہ ہے کہ وحشی اقوام میں یہ فرق کس بنا پر پایا جاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ممالک حارہ کی رہنے والی وحشی اقوام میں مردوں کی طرح عورتیں بھی بالکل آزاد اور مستقل ہیں یہاں تک کہ تمام خارجی کام بھی مثل زراعت اور آبپاشی وغیرہ کے عورتیں ہی کیا کرتی ہیں۔ پھر متمدن ممالک کی طرح یہ دماغی اور جسمانی اختلاف ان اقوام میں کیوں پایا جاتا ہے؟ انسائیکلوپیڈیا بھی اس رائے میں ہم سے متفق ہے اس کا فاضل ایڈیٹر پروفیسر دوفارینی لکھتا ہے:۔

"جسطرح مرد اور عورت کے جسمانی اور دماغی قویٰ کا باہمی اختلاف تم کو پیرس جیسے متمدن شہر کے شائستہ باشندوں میں نظر آتا ہے بعینہ اسی طرح امریکہ کی وحشی ترین اقوام میں بھی پایا جاتا ہے"

ایک عجیب بات ہے کہ ادھر تو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ عورتوں کی گذشتہ وحشت نے ان کے جسمانی اور دماغی قویٰ کو ضعیف کر دیا ہے۔ ادھر یورپ کے فاضل مصنفین اور عقلا کا یہ خیال ہے کہ تمدن کی ترقی عورت اور مرد کے طبعی اختلاف کو زیادہ کر رہی ہے۔ پروفیسر دوفارینی انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے:۔

"تمدن کے بڑھنے کے ساتھ ہی قدرتی اختلاف کی وضاحت بھی زیادہ ہو جاتی ہے چنانچہ گوری رنگت کے مردوں اور عورتوں میں جو فرق پایا جاتا ہے۔ وہ سیاہ فام رنگت کے وحشی مردوں اور عورتوں کے باہمی اختلاف سے کئی درجہ بڑھا ہوا ہے۔"

عورت میں اس تمام تشریحی ضعف کے ساتھ انفعال اور ہیجان کی قوت مرد سے بہت زیادہ ہے۔ اس کے دماغ میں احساس تہیج کے مرکز مرد کے دماغ کی نسبت زیادہ بہتر ترکیب رکھتے ہیں۔ اور یہی ایک ایسی چیز ہے جس میں عورت کا پلّہ مرد سے بڑھا ہوا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس قوت سے بھی عورت کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی کیونکہ ہیجان اور احساس کی زیادتی کا نتیجہ یہ ہے کہ عورت عقلی دائرے میں اور زیادہ ناکام ہو گئی ہے چنانچہ انسائیکلو پیڈیا میں پروفیسر دونا رہنی لکھتا ہے ؎۔

یہ اختلاف ان دونوں جنسوں کے ظاہری امتیازات سے بالکل مطابق ہے۔ مرد میں ذکا، فہم اور ادراک کا مادہ زیادہ ہے۔ عورت میں انفعال اور ہیجان کا جذبہ بڑھا ہوا ہے۔ ایک مشہور مصنف علامہ ترہ سیہ ہیجان کی زیادتی سے عورت کے طبعی ضعف پر استدلال کرتا ہے۔ اس کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔

"عورت کے عصبی ضعف کا یہ نتیجہ ہے کہ تم اس کے مزاج میں مرد کی نسبت زیادہ ہیجان پاتے ہو۔ اور اس کی توجہ سے اپنے طبعی فرائض حمل، وضع اور رضاع کی طرف اسکو مختلف قسم کی تکلیفوں اور خطروں میں ڈال دیتی ہے"

راز درونِ پردہ زرندانِ مست پُرس
کیں حال نیست صوفیٔ عالم مقام را

یورپ کی جدید تشریحی تحقیقات اور علم فزیالوجی نے ثابت کر دیا ہے کہ مرد اور عورت ہر حیثیت سے برابر نہیں۔

آزادیٔ نسواں کی حامی پارٹی نے اس وقت تک جس قدر دلائل جمع کئے ہیں۔ اگر ان کی تحلیل کی جائے تو آخر میں صرف یہی عروۃ الوثقےٰ ادلیل رہ جائے گی جو اوپر کی دو سطروں میں محدود کر دی گئی ہے۔

اگر تمہارے دوستوں میں کوئی شخص پردہ کا مخالف اور آزادی کا حامی ہے اگر کسی اس خیال کے نوجوان سے تم کو گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا ہے تو اچھی طرح یاد کرو بے ساختہ اسکی زبان سے

ثابت ہوئے۔ یہی قوائے عقلیہ کا سرچشمہ ہے جس میں مرد کا پلہ عورت سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔
مرد کے دماغ کے وزن کا اوسط عام طور پر ½ ۴۹ اوقیہ ہے اور عورت کے دماغ کا وزن صرف ۴۴۔ دوسو اٹھتر مردوں کے دماغ وزن کئے گئے تو سب سے بڑے دماغ کا وزن ۶۵ اوقیہ اور سب سے چھوٹے دماغ کا وزن ۳۴ اوقیہ ثابت ہوا لیکن جب دوسو کانوے دماغ عورتوں کے وزن کئے گئے تو سب سے زیادہ وزنی دماغ ۵۴ اوقیہ کا اور سب سے کم وزنی دماغ ۳۱ اوقیہ کا نکلا۔ کیا یہ اختلاف اس امر کا بہترین ثبوت نہیں ہے کہ عورتوں کے عقلی قوائے مردوں کے قویٰ سے بدرجہا ضعیف ہیں۔ دماغ جو قوائے عقلیہ کا اصلی مرکز ہے جب اس کا یہ حال ہے تو پھر عورتوں کا یہ دل گردہ کہاں کہ وہ مردوں کی برابری کا دعویٰ کر سکیں۔

جو لوگ یورپ کی معمولی سے معمولی آواز کو بھی وحی الہٰی سمجھتے ہیں انکے لئے قاسم امین بک کا یورپ کے دو تین قولوں کو پیش کر دینا یہ حکم رکھتا ہے کہ اسکے آگے اطاعت کا سر فوراً جھکا دیں اس لئے ان تمام رائوں کے پیش کرنے کے بعد ہم ان کی بھی قلعی کھول دیتے ہیں۔

ہم نے جو اقوال پیش کئے ہیں وہ اُن لوگوں کے ہیں جو آج یورپ میں مشاہیر فلاسفہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ہم نے جابجا انسائیکلو پیڈیا کے اقوال سے استشہاد کیا ہے۔ اور انسائیکلو پیڈیا علوم عصریہ کا عطر اور انیسویں صدی کے اعاظم اور کبار علماء کی رایوں کا خلاصہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں مے تن جانز وغیرہ کے اقوال وہ نسبت رکھتے ہیں جو قول احاد کو جمہور کی رائے سے ہوتی ہے۔

فی اصول التشریح صفحہ (۴۰۷) کتاب مذکور ڈاکٹر یوحنا ورٹبلٹ پروفیسر تشریح و فزیالوجی کی مستند تصنیف ہے، جدید تشریح میں اس سے بہتر کوئی کتاب عربی میں نہیں لکھی گئی۔ پہلی مرتبہ مصر میں چھپی پھر ترمیم و ترتیب کے بعد بیروت سے شائع ہوئی۔ بیروت کا ایڈیشن پیش نظر ہے۔

ہمارے دوستوں کو آزادی کا شور مچاتے ہوئے کامل ایک قرن گزر گیا ہے لیکن اس عرصہ میں کسی تعلیم یافتہ شخص نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ یورپ کی منتخب جماعت کی آواز کہاں تک انکی تائید کرتی ہے ہندوستان کے کامل تعلیم یافتہ گروہ کی عام علمی معلومات سے قاسم امین بک کا دائرہ علم بہت زیادہ وسیع ہے لیکن گزشتہ فصل پر ایک نظر ڈال لینے کے بعد کیا تم پر حیرت طاری نہیں ہو جاتی کہ جمہور کی اس بلند آواز سے کیونکر اس باخبر شخص کی قوت سامعہ بیخبر رہی۔ یہ حیرت اور زیادہ بڑھ جائیگی جب تم دیکھو گے کہ تشریحی اور فزیالوجی کی تحقیقات کے علاوہ عورت کے قدرتی فرائض کے متعلق اعاظم اور کبائر علمائے یورپ کی کیا رائے ہے کس طرح وہ عورتوں کو فطرتاً فرائض منزلی کیلئے مخصوص قرار دیتے ہیں اور کس طرح پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ عورت کا اپنے قدرتی فرائض سے باہر قدم نکالنا دنیا کی تباہی ہے۔ تمدن کی بربادی ہے اور معاشرت کیلئے خوفناک شگون ہے۔

قاسم امین بک نے اس دعوی کو جن اقوال ثلاثہ کے ساتھ پیش کیا ہے وہ گذشتہ فصل میں تمہاری نظروں سے گزر چکے ہیں۔ لیکن ایک اور موقعہ پر اس سے بھی زیادہ دھوکہ دینے والی عبارت میں یہ خیال ظاہر کیا ہے اور دعوی کر دیا ہے کہ یورپ کی تمام علمی جماعت یا تو عورتوں کی موجودہ حیثیت پر قانع ہے یا موجودہ آزادی سے بھی زیادہ آزادی کی خواستگار ہے لیکن ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو آزادی کا مخالف ہو۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اسی بناء پر یورپ اور امریکہ میں جو لوگ انسانی ترقی کے طالب ہیں۔ اس امر کی کوشش کر رہے ہیں کہ عورت جس آزادی اور استقلال کے درجہ تک پہنچ چکی ہے، اس سے بھی زیادہ تر درجۂ کمال کی طرف ترقی کرے انکی اصلی غرض دنیا کی اس قدیم جہالت پر جہاد کرنے کی یہ ہے کہ انسان کی یہ دونوں جنسیں ایک نظر سے دیکھی جائیں اور ان میں باہم کوئی فرق باقی نہ رہے چنانچہ آجکل یورپ اور امریکہ میں دو جماعتیں ہیں جو اس مسئلہ کے متعلق دو مختلف رائیں رکھتی ہیں۔

پہلی جماعت اس آزادی اور حریت کو عورتوں کیلئے کافی سمجھتی ہے جو مغربی عورتوں نے حاصل کر لی ہے۔ دوسری جماعت موجودہ حالت پر اکتفا نہیں کرتی اور اس سے زیادہ بہتر حالت کی طلبگار ہے وہ اس کوشش میں ہے کہ عورتیں یہانتک ترقی کریں کہ ان میں اور مردوں میں کوئی فرق باقی نہ رہے"[1]

---

[1] المرأۃ الجدیدۃ قاسم امین بک ۱۲

نکل گیا ہوگا کہ یورپ کی نئی تحقیقات نے مرد اور عورت کو جسمی اور عقلی قوت کی ایک سطح پر پہلو بہ پہلو کھڑا کر دیا ہے۔ اس نے نہایت جوش میں بیباکانہ کہا ہوگا کہ مشرق کا یہ قدیم ظالمانہ خیال ہے کہ عورت مرد کی برابری نہیں کر سکتی مگر آج یورپ نے اس غفلت کے پردے کو چاک کر دیا اور عورت کی اصلی صورت دنیا کو دکھلا دی۔ اس نے بہت دیر تک مؤثر اور ہنگامہ خیز تقریر کی ہوگی لیکن اس دعوے کے مرکز سے ایک انچ بھر نہ ہٹا ہوگا۔ اس کی تمام تقریر اور تمام دلیلیں ایک تشریح طلب عبارت ہوگی۔ اس کی تفسیر میں وہ کئی گھنٹے سرگرم سخن رہا ہوگا قاسم امین بک نے جب اس عنوان پر قلم اٹھایا تو اس مرکز سے ہٹنے کی جرأت نہ کر سکا۔ المرأۃ الجدیدہ اور تحریر المرأۃ کی سیر کرو۔ جہاں کہیں مساویانہ حقوق کی فریاد ہے۔ اسی دلیل کے بل پر ہے یہی وہ دعوے ہے جس کے آگے پردہ کی حامی جماعت دم بخود ہو کر خاموش ہو جاتی ہے۔ مذہب کا زور دکھلایا جاتا ہے۔ تو وہ بھی ناکام ہو کر الگ ہو جاتا ہے۔ یورپ کا قول اور حال زبان کی بے خبری نے چھپا دیا۔ اس لئے اتنی قوت نہیں کہ جستجو کی کوشش کریں اور دعوے کی صداقت کا سراغ لگائیں۔

لیکن ہم پر اس دعوے کا جادو اسی طرح ناکام رہا۔ جس طرح مذہب کا معجزہ نما طلب جماعت کے لئے بے سود تھا۔ یورپ کے مشاہیر علماء کی رائیں پیش نظر تھیں اس لئے جو کچھ مطلب کا دیکھا پیش کر دیا۔

گذشتہ فصل میں ہم نے اس کا بڑا حصہ نقل کر دیا ہے۔ کیا ممکن ہے کہ اس کے پیش کر دینے کے بعد بھی اس دعویٰ کا طلسم لوٹ کر ہباءً منثورا نہ ہو جائے۔ کہا جاتا ہے کہ یورپ نے مشرق کے قدیم پردۂ غفلت کو چاک کر دیا۔ لیکن گذشتہ فصل اپنے سامنے رکھ لو اور منصفانہ کہو کہ ہم نے مخالف پارٹی کے تیس برس کے پردۂ فریب کو چاک نہیں کر دیا؟ علم تشریح، فزیالوجی اور سائی کولوجی کے جلیل القدر علمائے یورپ کے جو اقوال پیش کئے ہیں کیا اُن کے مقابلے میں کسی کی جرأت ہے کہ پھر اس دعویٰ کا اعادہ کر سکے؟ کیا ان اقوال کے پیش نظر کر دینے کے بعد بھی اس دعویٰ میں کچھ جان باقی ہے۔ اگر ہے تو آؤ آج اسکا بھی فیصلہ کر ڈالیں۔

ہم نے ان لوگوں کے اقوال منتخب کئے ہیں جن کو ملک نے موجودہ مدنیت کا مجدد، فلسفہ حسی کا افضل ترین عالم اور علوم عصریہ کا اعلیٰ ترین معلم تسلیم کر لیا ہے۔ جنکا قول علم و عقل کے موافق ہے۔ انکے مقابلہ میں اگر چند غیر مستند لوگوں کے اقوال پیش بھی کئے جائیں تو انکا کوئی اثر ہماری طبیعت قبول نہیں کر سکتی۔

عورتوں کی آزادی اور فرائض (علمائے یورپ کا فیصلہ)

قدرت نے نظامِ تمدن کے دو حصے کر دیے ہیں "فرائض منزلی" اور "فرائض تمدنی" پہلا کام عورت کے ذمے قرار دیا اور اسکو ربۃ العائلہ بنایا دوسرا کام مرد کے متعلق کیا اور اس کو تمدنی مملکت کا تاجدار بنایا۔ اس لئے درحقیقت قدرت نے مرد اور عورت کو دو علیحدہ جنسوں میں منقسم نہیں کیا بلکہ انسانی ضرورتوں پر نظر رکھتے ہوئے دونوں کی مجموعی طاقت کو شخص کامل کی صورت میں مخلوق کیا ہے۔ مرد میں بذاتہ متعدد نقص ہیں جو کامل نہیں ہو سکتے اگر عورت شریکِ حال نہ ہو۔ اسی طرح عورت میں بہت سے نقص ہیں جو مکمل نہیں ہو سکتے اگر مرد ان کی اعانت سے دست بردار ہو جائے۔ اس بناء پر مرد اور عورت عبارت ہیں ایک نوع کامل سے جنکی کوشش اور فرائض کی انجام دہی سے نظامِ تمدن قائم ہے۔ جو لوگ اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ عورت کو درجۂ استقلال حاصل ہو جائے ان کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جو آکسیجن اور ہیڈروجن کی مجموعی طاقت کو ضائع کرنا چاہیے اور اس خبط میں مبتلا ہو کر ان میں سے کوئی ایک عنصر مستقل ہو جائے۔ حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ پانی عبارت ہے ان دونوں کی ترکیبی اور مجموعی قوت سے اگر یہ ممکن ہے کہ ان دو میں سے ایک عنصر دوسرے عنصر کی اعانت سے مستغنی ہو کر درجہ استقلال حاصل کرے اور پانی کی طبعی تکوین میں بھی فرق نہ آئے تو یہ بھی ممکن ہے کہ عورت مرد کے مشاغل میں شریک ہو جائے اور نظامِ تمدن بھی متزلزل نہ ہو۔ لیکن ہم کو معلوم ہے کہ ایسا ہونا محالِ قطعی ہے۔ جس طرح ہیڈروجن کے مقابلہ میں آکسیجن ثقل میں زیادہ ہے۔ اسی طرح عورت کے مقابلہ میں مرد کی جسمی اور دماغی قوت زیادہ ہے۔ جس طرح ہیڈروجن کے ثقل کی زیادتی پانی کی طبعی تکوین کی

لیکن صرف اسی قدر کہہ دینا کافی نہیں ہے۔ ان لوگوں کے نام پیش کرنا چاہئیں جو موجودہ آزادی پر قانع یا کلی مساوات کے طلبگار ہیں۔ کیونکہ جو جماعت علم وفضل کے لحاظ سے آج یورپ میں اعلیٰ درجہ کی جماعت تسلیم کی جاتی ہے انکی تصنیفات موجود ہیں۔ مساوات کا خواستگار ہونا ایک طرف وہ موجودہ آزادی کو ایک خوفناک تمدنی مرض سے تعبیر کرتے ہیں۔

اگر ایک شخص کسی خاص ملک کے متعلق یہ دعویٰ کرے کہ وہاں کے لوگ فلاں خیال یا عقیدے کو تسلیم نہیں کرتے اور مخاطب کو اس کے تسلیم کرنے میں تامل ہو تو اسکا فیصلہ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ اس ملک کے اعاظم جلیل القدر علماء کی رائیں اس دعوے کی تصدیق کرتی ہیں یا وہ خیال ان میں بالکل نہیں پایا جاتا۔ ہم نے اسی اصول کو پیش نظر رکھا اور مشہور علمائے یورپ کی ورق گردانی کی۔ ہم پر یہ ثابت ہوا کہ ان کے متعلق یہ دعوے صحیح نہیں۔ ہم نے انسائیکلوپیڈیا کے اقوال پیش کئے جو علوم عصریہ اور علمائے یورپ کی راؤں کا خلاصہ ہے۔ ہم نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آگسٹ کونٹ، پرودھن، ژول سیمان جیسے رؤسائے فلسفہ اور مستند علماء کی شہادتیں نقل کیں جو آج یورپ میں آسمان علم کے آفتاب سمجھے جاتے ہیں۔

قاسم امین بک لکھتا ہے کہ یورپ میں ایسے لوگ موجود ہیں جو عورتوں کی موجودہ آزادی پر قناعت نہیں کرتے اور کلی آزادی کے طالب ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ صرف اس مسئلہ پر موقوف نہیں یورپ تو دنیا بھر کے متضاد اور عجیب وغریب خیالات کا مخزن ہے۔ یورپ میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو مذہب کے قدیم سلسلے کے مخالف ہیں۔ وہ بھی ہیں جو اباحت عامہ کے قائل ہیں اور ہر قسم کی انسانی خواہشوں اور ارادوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ بھی ہیں جو تمدن ومعاشرت کی تمام خواہشوں کو فضول سمجھتے ہیں اور نظام حکومت کے دشمن ہیں۔ وہ بھی ہیں جو روحانیت کے خیال کو ایک خبط اور وحشت بتلاتے ہیں تو کیا اہل مشرق پر واجب ہے کہ ہر قسم کی آواز جو سرزمین مغرب سے بلند ہو یا یورپ کی طرف منسوب ہو سکے اس کے آگے اطاعت اور تسلیم کا سر جھکا دیں؟

یورپ میں ہر خیال کے لوگ موجود ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کونسی جماعت علم وفضل کے لحاظ سے سربرآوردہ اور قابل اعتماد و استناد سمجھی جاتی ہے کس گروہ کا قول علم اور عقل کے معیار پر ٹھیک اترتا ہے؟

"ان عورتوں کو "معاشرت" کے اصلی اصول "فروجیت" سے سخت نفرت ہے۔ قدرت نے جس غرض سے انکو مخلوق کیا ہے۔ اور جس کام کیلئے انکو جسمانی اور معاشی اعضاء عطا کئے ہیں اسکو بالکل فراموش کردیا ہے۔ ان میں وہ طبعی حاسہ اور جنسی امتیاز بالکل نہیں پایا جاتا جو انکی ہم عمر عورتوں میں فطرتاً موجود ہے۔ انکی حالت ایک ایسے درجے تک پہنچ گئی ہے جس کو "مالیخولیا" سے تعبیر کرنا چاہیئے۔ درحقیقت نہ انکو مرد کہا جا سکتا ہے اور نہ وہ عورت ہیں۔ بلکہ ایک تیسری جنس کا نمونہ بن گئی ہیں۔ اگر وہ مرد اس لئے نہیں ہیں کہ مردوں سے طبعاً اور ترکیباً مختلف الجنس ہیں۔ تو عورت بھی اس لئے نہیں ہیں کہ انکا عمل اور وظیفہ فرائض نسوانی سے بالکل مختلف ہے۔ علمائے یورپ اس عظیم الشان نقص مدنیت پر غور کر رہے ہیں جو قوانین قدرت کے منافی اور اسکے حدود کو توڑنے والا ہے۔ اگر عورتوں کی یہ افسوسناک حالت اسی طرح کچھ عرصہ تک قائم رہی تو سمجھ لینا چاہیئے کہ عنقریب سوسائٹی میں ایک عظیم الشان خلل پیدا ہونیوالا ہے اور تمدن اور معاشرت کی بنیادوں کو متزلزل کردیگا۔"

حیرت ہے کہ حریت کے طلبگار عورت کی غلامی کی فریادوں سے کنگورۂ عرش کو ہلانا چاہتے ہیں مگر اس پر غور نہیں کرتے کہ قدرت نے مرد کو عورت کا کس طرح محکوم اور غلام بنا دیا ہے! قدرت نے مرد کا فرض قرار دیا ہے کہ عورت کے تغذیہ اور آرام و راحت کیلئے اپنے کو تمدن کی مہلک موجوں میں ڈال دے اور جانکاہ صعوبات برداشت کر کے سمندر کی تہ تک پہنچے اور موتیوں کا خزانہ نکال کر عورت کے قدموں پر ڈال دے۔ اس سے زیادہ حیرت یہ ہے کہ عورت کے فرضی وکیل اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ خود عورت کو اپنی طبعی ضروریات کا کفیل ہونا چاہیئے اور مردوں کے مشاغل میں شریک ہو کر اپنے کو سیاست اور تمدن کے مناقشات میں مبتلا کر دینا چاہیئے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا عورت پر یہ ظلم اور بیجا ظلم نہیں ہے کہ ایک طرف فرائض منزلی اور بقائے نوع انسانی کا اسکو ذمہ دار قرار دیا جائے اور دوسری طرف تحقیق جرائم اور تلاش معاش کا بھی اس پر بار ڈالا جائے؟ کیا یہ غلامی نہیں ہے کہ مرد اپنا کام بھی عورتوں کے سپرد کر کے طبعی فرائض کی انجام دہی سے سبکدوش ہو جائیں اور عورت کو فرائض منزلی کے ساتھ تمدن اور سیاست کے انتظام و اہتمام کا بھی ذمہ دار قرار دیں؟ غور سے دیکھو انصاف یہ ہے کہ عورت کو اسکے فرائض طبعیہ کے میدان میں آزاد اور حر مطلق چھوڑ

مخالف ہے، بعینہٖ اسی طرح عورت کا استقلال نظامِ تمدن اور معاشرت کی تشکیل کے لئے سمِ قاتل ہے۔

علومِ مادیہ کا افضل ترین عالم یورپ کا سربرآوردہ مصنف ژول سیمان اپنے ایک مضمون میں جو "ریویو آف ریویوز" میں شائع ہوا تھا۔ اور جس میں ایک فرانسیسی عالم لوزویہ کی تصنیف پر ریویو کیا تھا۔ لکھتا ہے :۔

"عورت کو چاہئے کہ عورت رہے۔ ہاں! بیشک! عورت کو چاہیئے کہ عورت رہے۔ اسی میں اسکے لئے فلاح ہے اور یہی وہ صفت ہے جو اس کو سعادت کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ قدرت کا یہ "قانون" ہے۔ اور قدرت کی یہ ہدایت ہے۔ اس لئے جس قدر عورت اس سے قریب تر ہوگی اسکی حقیقی قدر و منزلت بڑھے گی۔ اور جس قدر دور ہوگی۔ اسکے مصائب ترقی کریں گے ۔۔۔ بعض فلاسفر انسانی زندگی کو ۔۔۔۔ پاکیزگی سے خالی سمجھتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ انسان کی زندگی دلفریب پاک اور بیحد پاکیزہ ہے۔ بشرطیکہ ہر مرد اور ہر عورت اپنے ان مدارج سے واقف ہو جائے جو قدرت نے اسکے متعلق کر دئے ہیں"

تم کو حیرت ہوگی کہ یہ عظیم الشان فلاسفر عورت کو عورت رہنے کی تعلیم کیوں دیتا ہے، حالانکہ کوئی عورت اپنے جنسی دائرے سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی۔ عورت عورت ہے اور مرد مرد۔ مگر یہ حیرت رفع ہو جائیگی جب تم کو معلوم ہوگا کہ عقلائے یورپ یورپ کی عورتوں کو عورت تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ درحقیقت انہوں نے اپنے جنسی فرائض بھلا دئے ہیں اور اپنے طبعی دائرے سے باہر قدم نکالنا چاہتی ہیں۔ یہی عالم ایک اور موقع پر لکھتا ہے :۔

"جو عورت اپنے گھر سے باہر کی دنیا کے مشاغل میں شریک ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ وہ ایک عاملِ بسیط کا فرض انجام دیتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ عورت نہیں رہتی"

مشہور مصنف پروفیسر جیوم فریرو نے (جو اطوار انسانی کا مشہور نقاد ہے) ۱۸۹۵ء میں ایک مضمون لکھا تھا جو "ریویوز" میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں نہایت دردانگیز الفاظ میں ان عورتوں کی افسوسناک حالت کی تصویر کھینچی ہے جو یورپ میں موجودہ آزادی سے متاثر ہو کر مردوں کے مشاغل میں شریک ہوگئی ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ :۔

"نظامِ تمدن" کا بانی استاذ الاساتذہ "آگسٹ کونٹ" اپنی مشہور تصنیف النظام السیاسیہ علی احسب الفلسفہ الحسیہ میں لکھتا ہے۔

جس طرح ہمارے زمانے میں عورتوں کی سوشل حالت کے متعلق خیالی گمراہیاں پیدا ہو رہی ہیں اسی طرح تغیرِ نظامِ تمدن اور آدابِ معاشرت کے ہر ایک دور میں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ مگر وہ لاز آف نیچر جنس محب (عورت) کو منزلی زندگی کیلئے مخصوص رکھتا ہے۔ اس میں کبھی کوئی اہم تغیر واقع نہیں ہوا۔ قانونِ الٰہی درجہ صحیح اور محقق ہے کہ گو اس کی مخالفت میں سینکڑوں باطل خیالات قائم ہوتے رہے مگر یہ بغیر کسی تغیر یا نقصان کے سب پر غالب آتا ہے۔"

انسان پر موقوف نہیں۔ دنیا میں جتنی چیزیں مخلوق کی گئی ہیں سب میں جنسی امتیاز پایا جاتا ہے قوتِ فاعلہ" اور" قوتِ منفعلہ" کی مشترک حالت دنیا کا نظامِ تمدن قائم رکھتی ہے اس بناء پر عورت کا استقلال اور تمدنی دنیا کی شرکت یہ مفہوم رکھتی ہے کہ قوتِ منفعلہ سے قوتِ فاعلہ کا کام لیا جائے اور قدرت نے جو نظام مقرر کر دیا ہے اس میں تغیر اور ردو بدل کیا جائے۔ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔ ۔ ۔ ۔ یہی فیلسوف اعظم اور موقع پر لکھتا ہے:۔

"مردوں کے مشاغل میں عورتوں کی شرکت سے جو خوفناک نتائج اور فساد پیدا ہو رہے ہیں انکا علاج یہ ہے کہ دنیا میں جنسِ عامل (مرد) اپنے جنسِ محب (عورت) کے جو مادّی فرائض ہیں انکی حد بندی اور تعین کر دیجائے مرد پر واجب ہے کہ عورت کے تغذیہ کا انتظام کرے یہی وہ "قانونِ طبعی اور" ناموسِ الٰہی" ہے جو جنس محب کی اصلی زندگی کو منزلی دائرہ میں محدود کرتا ہے، یہی وہ قاعدہ ہے جو ہیئت اجتماعی کے خوفناک اور معیوب اشکال کو احسن اور اکمل کر دیتا ہے۔ یہی وہ قانون ہے جو عورت کو اپنی طبعی جذبات سے ترقی نوعِ انسانی کے شریف فرض کی بجا آوری پر آمادہ کرتا ہے۔ پس وہ تمام مادی ترقی اور علمی کمال جو عورت کی موجودہ حالت ہم سے طلب کر رہی ہے" محالِ قطعی اور محض ناممکن ہے کیونکہ اس ناموسِ الٰہی اور قانونِ طبعی سے منطبق نہیں ہو سکتی اور چونکہ یہ خواہش ناموس الٰہی کے مخالف ہے اور اس کے حکم کو رد کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے اس طبعی جرم کے اثر سے سوسائٹی کا کوئی علاقہ اور حصہ محفوظ نہیں رہ سکتا۔

دیا جائے۔ اور وہ اس کام کو اطمینان اور سہولت کے ساتھ انجام دے جس کی صلاحیت اور قدرتِ فطرت نے اس کو عطا فرمائی ہے۔ ساتھ ہی اس کشمکش سے محفوظ رہے جسکی صلاحیت اور قابلیت سے فطرت نے اس کو محروم رکھا ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگر تمدنی ترقی اور کمالِ انسانی کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ عورت استقلال اور عام آزادی کے درجہ تک صعود کر جائے اور مردوں کے مشاغل میں شریک ہو جائے تو اس پر کوئی وجہ نہیں کہ وحشی ممالک کو دنیا کا اعلیٰ ترین متمدن حصہ قرار دیا جائے وہاں مرد خالی الذہن اور غیر مکلف ہوتا ہے۔ تمام کام صرف عورتیں کرتی ہیں۔

درحقیقت خود قدرت اس الزام کی ذمہ دار ہے کہ کیوں عورتوں کو نظامِ تمدن میں کافی حصہ نہیں دیا۔ عورت کی فطرت داخلی اور خارجی اعضائے سر سے پیر تک مجموعی ہیئت صاف صاف بتلا رہی ہے کہ وہ اس کام کے لئے ہرگز مخلوق نہیں کی گئی ہے جس کو عورت کے فرضی وکیل اس کے لئے تجویز کر رہے ہیں۔ یورپ کے وہ عالم جو فلسفہ حسی کے مجدد، اعلیٰ ترین مصنف اور فلسفہ جدیدہ کے مسلم ارکان ہیں پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ عورتوں کو گھر سے باہر کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا کام نوعِ انسان کی حفاظت، اور صرف فرائض منزلی کو انجام دینا ہے۔ مگر افسوس ؎

گوشِ سخن شنو کجا، دیدۂ اعتبار کو

"مشہور سوشلسٹ فلاسفر علامہ پرودھن اپنی قابلِ قدر کتاب کار انتظام میں لکھتا ہے کہ:-

"عورت کو تمدنِ انسانی میں قدرت نے بالکل حصہ نہیں دیا۔ وہ علم کا راستہ طے کرنا چاہتی ہے مگر علم اس سے مساعدت نہیں کرتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ خوفناک نتائج کے ظہور پذیر ہونے کے ہم متوقع ہیں۔ نوع الخ

عورت کی کسی علمی اختراع یا صناعی ایجاد یا اخلاقی اور سیاسی کوششوں کی ہرگز ممنون نہیں ہے۔ وہ علم کی شاہراہ پر بغیر عورت کی مساعدت کے چلی ہے اور اس نے خود ہی حیرت انگیز عجائبات ظاہر کئے ہیں بلکہ مرد ہی ایک اکیلی ذات ہے جو خود بخود اختراع کرتی ہے تکمیل تک پہنچاتی ہے اس پر عمل کرتی ہے اس سے نتائج پیدا کرتی ہے۔ اور عورت کے تغذیہ اور آرام و راحت کا انتظام کرتی ہے۔ فلسفہ حسی کا مؤسس اصول

کی رائے اگر عورتوں کی تہذیبی لئے اور اخلاقی ترقی کیلئے مضر سمجھی جاتی ہے تو در حقیقت اس دوسری رائے کو "دیوانگی" اور "خبط" سمجھنا چاہیئے کیونکہ نظام طبیعت پر منطبق نہیں ہوتی۔ اس رائے کا مقصد یہ ہے کہ عورت کو اس قدر مہذب بنایا جائے اور تعلیم سے آراستہ کیا جائے کہ اس میں اور مرد میں سوائے جنسی امتیاز کے اور کوئی فرق باقی نہ رہے اور حقوقِ سیاسی و علمی کے لحاظ سے مرد اور عورت بالکل مساوی درجہ میں سمجھے جائیں۔"

قدرت نے مرد کو عورت پر فوقیت دی، عورت کیلئے غلامی ہے تو اچھی طرح سمجھ لو کہ عورت کو اس غلامی سے کبھی نجات نہیں مل سکتی۔ یہ "قدرت" دنیا کی آسائش اور انتظام پر نظر رکھتی ہے، ہماری تمہاری رائوں پر نظر نہیں رکھتی۔ وہ تمہاری رائے کی تابع ہو کر کیوں عورت کو مستقل اور آزاد کرے؛ جبکہ اسکا استقلال دنیا کیلئے اور دنیا کے تمدن کیلئے ایک خوفناک بربادی ہو۔ اسلئے فضول شور و غل سے دست بردار ہو کر غور و فکر کی نظر ڈالو۔ دیکھو کہ نظامِ تمدن میں عورتوں کو کیا مرتبہ دیا گیا ہے؛ دنیا کس درجہ انکی محتاج ہے اور کس امر میں محتاج ہے۔ خود مردوں نے کے فرائض کیا ہیں؛ دنیا میں اسوقت تک عورتوں کو کہاں تک تمدن میں شریک کیا گیا اور اب کہاں تک شریک ہیں؛ پھر جو کچھ علم و عقل کا فیصلہ ہو اس پر شاکر ہو کر بیٹھ جاؤ کیونکہ قدرت کے قانون میں تغیر ممکن نہیں۔

مشہور نہلسٹ فلاسفر فیلسوف اعظم علامہ "پرودُّون" اتبکار النظام میں لکھتا ہے:۔

"سوسائٹی کی تکوین در حقیقت ان تین "عنصروں" سے ہوتی ہے علم، عمل، عدالت، اب دیکھو کہ مرد اور عورت کا ان عناصرِ ثلاثہ میں کس درجہ حصہ ہے اور باہم کس قدر متفاوت ہیں۔ نظامِ تمدن ہم کو بتلاتا ہے کہ علم و عمل و عدالت کے لحاظ سے مرد اور عورت میں وہ نسبت ہے ۳×۳×۳ کو ۲×۲×۲ سے ہوتی ہے یعنی ۲۷ اور ۸ کی نسبت ہے۔ اسلئے جو لوگ عورتوں کیلئے آزادی اور استقلال کے طالب ہیں وہ در حقیقت عورتوں کو شقاوت کے قید خانے میں مقید کرنا چاہتے ہیں وہ قید خانہ جو مفروضہ "عبودیت" کے قید خانے سے کچھ کم نہیں۔"

یہی نہلسٹ عالم ایک اور موقع پر لکھتا ہے:۔

"چونکہ عورت کو صرف معنوی خوبیاں عطا کی گئی ہیں؛ اسلئے اس حیثیت سے وہ ایک بیش بہا جواہر اور اس صفت میں مرد پر سبقت لے جانیوالی ہے۔ عورت کی ان خوبیوں کا ظہور مرد کی ماتحتی میں رہنے سے ہی ہو سکتا ہے کیونکہ عورت کا

تم جانتے ہو کہ یہ کس شخص کا قول ہے یہ اس شخص کا قول ہے جو علم عمران کا استاذ الاساتذہ اور فلسفہ حسی کا بانی مبانی ہے اور فلسفہ حسی وہ علم ہے جس کو نوعِ انسانی کی دماغی ترقی کا آخری زینہ تصور کیا جاتا ہے کیونکہ اشیاء کی حقیقت پر محسوس باتوں کے لحاظ سے حکم لگانے کا صحیح اور تنہا قانون یہی تسلیم کیا گیا ہے۔

سموئل سمائلس انیسویں صدی کا مشہور عالم اور انگلستان کے جدید تمدنی دور کا مسلّم موسّس ہے جسکی اخلاقی تصنیفات آج یورپ کے تعلیمی نصاب کا ایک ضروری جزو سمجھی جاتی ہیں۔ یورپ کے تمام افاضل اور علماء شہادت دے چکے ہیں کہ ہم تمام مصنفین میں "سمائلس" اخلاق کا سرخیل اور بزرگ ترین مصنف ہے اس سے بڑھکر قبولیت کیا ہو سکتی ہے کہ علمی اور اخلاقی سوسائٹی کی طرح مذہبی سوسائٹی بھی اس کی تصنیفات کو بائبل کا ہم پلہ تسلیم کرتی ہے اور اس لماری کو منحوس سمجھتی ہے جس میں سمائلس کی تصنیفات کو جگہ نہ دی گئی ہو یہی عالی دماغ اخلاقی فلاسفر اپنی گراں بہا تصنیف "الاخلاق" میں انگلستان کی آزاد عورتوں کی حالت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"قدیم اہلِ روما کے نزدیک شریف اور "ربۃ العائلہ" عورت کی سب سے زیادہ قابلِ تعریف اور اعلیٰ درجہ کی قابلِ مدح بات یہ سمجھی جاتی تھی کہ وہ گھر میں بیٹھنے والی اور گھر سے باہر کی کشمکش سے محفوظ ہے ہمارے زمانے میں بھی کہا جاتا ہے کہ عورت پر جغرافیہ کی تعلیم اسلئے واجب ہے کہ وہ اپنے گھر میں مناسب رُخ اور صحیح سمت میں کھڑکیاں بنوا سکے۔ اور "علم کیمسٹری" کی تحصیل اسلئے فرض ہے کہ جوش کی حالت میں دیگچی کی حفاظت کر سکے کیونکہ لارڈ بائرن باوجود اس میلان اور رغبت کے جو اس کو عورتوں کی طرف سے تھی یہ رائے رکھتا ہے کہ عورتوں کے کتب خانہ میں "بائبل" اور "طباخی" کی کتاب کے سوا اور کوئی کتاب نہیں ہونی چاہیئے مگر یہ رائے عورتوں کے اخلاق اور تہذیب کے لحاظ سے غیر معقول اور انکی ترقی میں ایک رکاوٹ سمجھی جاتی ہے"۔

قدیم اہلِ روما اور لارڈ بائرن کی رائے لکھکر جسکا درحقیقت وہ مؤید اور حامی ہے عورتوں کی آزادی اور تعلیم کے متعلق یورپ کی عام رائے نقل کرتا ہے اور اسکو ایک "جنون" اور مدنیت کیلئے "بیحد مضر" قرار دیتا ہے۔

"اس رائے کے مخالف ایک اور رائے ہے جو آج تمام یورپ میں شائع اور عام ہو رہی ہے اہلِ روما اور لارڈ بائرن

بے انتہا مشکل اور غیر معمولی توجہ کی محتاج ہے لیکن کیا اسکی اہمیت اور دشواری اس امر کیلئے مستلزم ہے کہ انتظام حکومت اور سیاسی منافشات کے انفعال کا بار بھی مظلوم اور مسکین عورت پر ڈالا جائے ؟ تم کہتے ہو کہ عورت کی آزادی مردوں نے چھین لی ہے ظلم و ستم کا عادی بنا دیا ہے لیکن سچ سچ بتاؤ عورت کو تمدن کی کشمکش سے محفوظ رکھنا اور اس امر کا موقع دینا کہ فرائض تربیت کی انجام دہی میں منہمک رہے انصاف اور حقیقی انصاف ہے یا تربیت جیسی اہم اور مشکل ذمہ داری کے ساتھ سیاسی اور تمدنی انتظام کا بھی ذمہ دار بنانا انصاف اور خالص انصاف ہے؟ تم کہتے ہو کہ ہم انصاف نہیں کرتے مگر ہم کہتے ہیں کہ تم عدالت سے کوسوں دور ہو مرد کے فرائض کا بار بھی غریب عورت کے سر ڈالنا غلامی نہیں ہے تو کیا ہے عورت کو اس ناواجب اور خلاف احکام قدرت بوجھ سے بچانا ظلم اور انصاف سے بعید ہے!

تم کہتے ہو کہ تربیت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی کام اہم اور دشوار نہیں، پھر کیوں عورت کو اس امر کا موقع نہیں دیتے کہ وہ اس اہم اور دشوار کام کو تعلیم قدرت کے مطابق انجام دے ؟ حقیقت یہ ہے کہ تم اگرچہ عورتوں کی "وکالت" کا دعویٰ کرتے ہو مگر تمہاری وکالت غریب عورتوں کیلئے تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ ہے ہم ہیں عورتوں کے حقیقی اور سچے حامی کہ پکار پکار کر انکو سمجھا رہے ہیں کہ قدرت اور قدرت کے قانون نے تم کو جس دائرے میں محدود کر دیا ہے۔ اے غریب اور شریف عورتو! اس دائرے سے باہر قدم نکالنے کی مجرم مت بنو۔

"قاسم امین بک" نے امریکہ کے ایک چیف جسٹس کا قول نقل کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے کہ خارجی مشاغل عورت کے منزلی فرائض میں خلل انداز نہیں ہو سکتے۔ اس کے اصلی الفاظ یہ ہیں:۔

"عام مشاغل اور گھر سے باہر کی زندگی عورت کے منزلی فرائض پر مؤثر نہیں ہو سکتی۔ وہ مشاغل مجموعی میں بھی مشغول رہ سکتی ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے منزلی فرائض بھی انجام پا سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اس وقت تک اس قسم کی کوئی خبر نہیں سنی کہ کوئی شخص اپنی بیوی کا اسلئے شاکی ہوا ہو کہ وہ مصالح عامہ میں بھی شریک ہے"[1]

لیکن ہم "قاسم امین بک" سے اور انکے ہم خیال مصلحوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا امریکہ کے جج کا قول صحیح ہے؟ اور کیا یہ بھی صحیح ہے کہ تم تربیت اطفال کو ایک مشکل اور محتاج مشقت کام سمجھتے ہو؟ کیا ممکن ہے کہ ایک شخص

---

[1] المراۃ الجدیدہ فصل پنجم

فرض صرف اتنا ہے کہ وہ اس بے بہا عطیۂ قدرت کو اپنے لئے محفوظ رکھے۔ جو در اصل اس کی مستقل خاصیت نہیں بلکہ ایک ایسی صفت، شکل اور حالت ہے جو اس پر شوہر کی حکومت ماننے کو لازم قرار دیتی ہے پس عورت کا مرد کے ساتھ دعوئے ہمسری کرنا۔ اسکو نہایت مکروہ اور بدنما بنانے والی بات ہے جسکی وجہ سے وہ تعلقات زوجیت کو توڑنے والی، محبت کو مٹانیوالی اور نوع انسانی کو ہلاک کرنیوالی بن جاتی ہے"۔

لطف یہ ہے کہ "قاسم امین بک" اور اسکے ہم خیال حضرات تربیت اطفال کو ایک نہایت اہم فرض قرار دیتے ہیں، مگر ساتھ ہی آزادی اور استقلال کی فریادیں بھی بلند کرتے ہیں۔ قاسم امین بک لکھتا ہے:۔

" جمہور کا خیال ہے کہ اطفال کی تربیت ایک معمولی کام ہے جس کو ایک جاہل عورت بھی اچھی طرح انجام دے سکتی ہے مگر جو لوگ فطرتِ انسانی سے واقف ہیں اور علم کے زیور سے آراستہ، وہ سمجھ سکتے ہیں کہ شئون انسانیہ میں کوئی شے اس قدر اہم نہیں ہے۔ اور دنیا کے تمام علمی اور تمدنی کاموں میں سے کوئی کام اس قدر دشوار نہیں ہے جس قدر بچوں کی تربیت اور صحیح تربیت ہے۔ انسان کی تمام علمی اور اخلاقی خوبیوں کا مدار و مدار محض اس تربیت پر ہے جو عالم طفولیت میں ماں کی توجہ سے انسان حاصل کرتا ہے اور علمی ترقی اور اخلاقی کمال کا حقیقی سرچشمہ وہ قیصر زمانہ ہے۔ جب وہ اپنی ابتدائی عمر میں قدرت کے مقرر کئے ہوئے شفیق معلم سے صحیفۂ فضل و کمال کے دیباچہ کا درس حاصل کرتا ہے۔ علمی حیثیت سے دیکھو تو تربیت اور صحیح تربیت ان تمام علوم کی محتاج ہے۔ جنکے ذریعہ سے انسان کے جسمانی اور روحانی نشوونما کے قوانین سے واقف ہو سکتی ہے۔ محنت اور توجہ کے لحاظ سے تربیت ہی ایک ایسی چیز ہے جس میں بے انتہا صبر اور تحمل کی ضرورت ہے۔ یوم ولادت سے سن بلوغ تک بچے کی نگہداشت کرنا، صبر اور تحمل سے اپنی کوشش اور توجہ کے نتائج کا انتظار کرنا اور تقریباً چودہ پندرہ برس کا طول طویل زمانہ اسی کوشش میں بسر کر دینا کوئی آسان کام نہیں ہے"[1]۔

لیکن سوال یہ ہے کہ جس عورت کے طبعی فرائض میں ایسا اہم اور محتاجِ علوم دشقت کام داخل ہے، کیا وہ دنیا کے سیاسی اور علمی جھگڑوں میں بھی حصہ لے سکتی ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ تربیتِ اطفال

---

[1] المراۃ الجدید۔ قاسم امین بک

ہیں عورت گرفتارِ استعباد ہوگئی اور اب پھر آزادی اور استقلال کی طالب ہوئی تو ہم کو تلاش کرنا چاہیئے کہ دورِ اوّل میں عورت کی کیا حالت تھی؛ تاکہ معلوم ہو جائے کہ اب پھر اسی حالت کو تم عورتوں کے لئے پسند کرتے ہو۔ انیسویں صدی کی انسائیکلوپیڈیا کا مصنف لکھتا ہے :۔

"یہاں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کا پہلا زمانہ وہ تھا جب عائلہ کی بنیاد نہیں پڑی تھی۔ اور عورت تمام قیود سے آزاد اور استقلال کے آخری درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ مگر اس استقلال کا نتیجہ یہ تھا کہ اسکی حالت انتہائی درجہ کی حقیر اور ذلیل تھی اور اسکی بے صد اہانت کیجاتی تھی۔ لیکن جب عائلہ کی بنیاد پڑی تو عورت کی حالت میں تغیر ہوا اور بالکل نئی قسم کی حالت شروع ہوگئی کیونکہ عائلہ کے دائرے میں قدم رکھتے ہی درجۂ استقلال سے یکایک گر پڑی اور تقیدات میں مبتلا ہوگئی۔ مگر اسکے مقابلہ میں ایک معنوی درجہ اس نے حاصل کیا جو اس سے پیشتر مفقود تھا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ عورت دورِ اوّل میں اگرچہ آزاد اور مستقل تھی لیکن اسکی حقیر حالت اور ذلت یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ جس سے زیادہ حقارت اور ذلت نہیں ہوسکتی۔ پھر عائلہ کی تشکیل سے استقلال مفقود ہوگیا لیکن ایک ایسا معنوی درجہ حاصل کیا جو اس سے پیشتر اسکو میسر نہ تھا۔ عورتوں کے "فرضی وکیل" اس کوشش میں ہیں کہ پھر آزادی اور استقلال کے درجہ پر عورت کو صعود کردیا جائے جسکا صاف مفہوم یہ ہے کہ عورت کو معنوی درجہ چھوڑ کر ذلت اور حقارت کا درجہ حاصل کرنا چاہیئے۔ پس اگر یہ خیال صحیح ہے قوم سدِّ راہ ہونیکی تکلیف گوارا نہیں کرنا چاہتے۔ قدیم "وحشت" اور "حیوانی حالت" کا شوق ہے تو چھوڑ دو "مدنیت" گویا دوسرے لفظوں میں ترک کردو انسانیت کو اور پھر عورت کو اس "وحشت" کے میدان کی سیر کرا دو جس سے آزاد ہو کر اس نے معنوی درجۂ کمال و مدنیت حاصل کیا تھا۔

اسلام اور اسلام کی خاص مدنیت نے عورتوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ایک مصنف مؤرخ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں۔ آج یورپ میں حدِ اعتدال سے گزری ہوئی آزادئ نسواں نے جو نتائج پیدا کئے ہیں انکو دیکھکر یورپ کے افاضل وہی طریقہ اختیار کرنا چاہتے ہیں جو اب سے تیرہ سو برس پیشتر اسلام نے دنیا کو بتلایا تھا کہ اگر مسلمان اسلام کے مجموعۂ تعلیم و ہدایت میں عورتوں کی حریت یا عدم حریت کے مناقشہ کا قول فیصل تلاش کریں اور ڈھونڈیں کہ اسلام نے عورت کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے۔ کہاں تک اس کو آزادی دی ہے کس درجہ تک

اوّل الذکر رائے کو صحیح تسلیم کرکے آخر الذکر رائے کی صحت کا بھی اعتراف کرلے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ دو اور دو پانچ بھی ہوں اور دو اور دو چار بھی؟ جواب کی امید نہیں، اسلئے ہم خود جواب دیتے ہیں کہ سب ممکن ہے اگر یہ ممکن ہو کہ فطرت کے قوانین "منسوخ" ہوجائیں۔ اگر یہ ممکن ہو کہ خدا کے قرار دئے ہوئے فرائض بدل جائیں اگر یہ ممکن ہو کہ مغرب مشرق ہوجائے اور جنوب شمال فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ

قاسم امین بک لکھتا ہے کہ:۔

"ابتدائے تخلیقِ عالم سے اسوقت تک کی مجمل تاریخ عورت کی یہ ہے کہ اسپر چار دَور گذرے ہیں۔ دَورِ اوّل میں انسان بالکل ابتدائی حالت میں تھا۔ اسلئے عورت حرِ مطلق اور بالکل آزاد تھی پھر عائلہ کی تشکیل ہوئی عورت کیلئے یہ دوسرا دَور تھا، اس دَور میں وہ استعباد اور مردوں کی غلامی میں مبتلا ہوگئی اور اس کی فطری حریت مردوں نے چھین لی اسکے بعد تیسرا دَور شروع ہوا۔ اس دَور میں انسانی حالت نے کمال کی ترقی کی اور تمدنی اثر آہستہ آہستہ پھیلنے لگا۔ اسلئے عورت کی غلامی نے ایک کروٹ لی اور اسکے حقوق کی طرف توجہ ہوئی لیکن مرد کی خودغرضی نے اسے پسند نہیں کیا کہ عورت کے جن حقوق کو اس نے تسلیم کیا ہے ان سے فائدہ اٹھانے کا اسکو موقع دے۔ لیکن چوتھے دَور میں جب تمدن درجہ کمال کو پہنچا اور فطرت کے بخشے ہوئے حقوق پر متمدن انسان کو توجہ ہوئی تو عورت کی حریت تامہ کو مردوں نے تسلیم کرلیا اور مرد اور عورت کا درجہ مساوی ہوگیا یہ ہے عورت کی مجمل تاریخ اور تمدن عالم کے ادوار اربعہ۔"[1]

فاضل مصنف نے عورتوں کی مجمل تاریخ بیان کردی مگر یہ نہیں بتایا کہ دورِ اوّل میں وہ کس طرح آزاد تھی؟ اور دورِ دوم میں کس طرح استعباد اور غلامی پر راضی ہوگئی عائلہ کی تشکیل کے ساتھ ہی عورت کا ابتدائی استقلال کیوں مفقود ہوگیا؟ اور کیوں مردوں کی غلامی سے اس نے اپنے آپکو آزاد نہیں کیا؟ یہ وہ سوال ہیں جن پر غور کرنے کی اگر قاسم امین بک تکلیف گوارا کرتا تو فوراً معلوم ہوجاتا کہ ان میں سے ہر ایک دور کیلئے ایسے اسباب اور لوازم تھے جن سے عورت کسی حالت میں بچ نہیں سکتی تھی لیکن ہم اس بحث سے الگ ہوکر صرف پہلے سوال کو دہرانا چاہتے ہیں کہ دورِ اوّل میں عورت کا کیا حال تھا اور اسکی حریت اور استقلال کی کیا صورت تھی؟ کیونکہ جب دورِ اوّل زمانۂ آزادی تھا اور دورِ دوم

---

[1] المرأة الجدیدہ فصل سوم

عورت خارجی زندگی کے مصائب اور تکلیفوں سے محفوظ رہے اور قدرت نے اسکو جس دائرے میں محدود کر دیا ہے۔ اس سے باہر نکلنے پر مجبور نہ ہو۔

ہم مانتے ہیں کہ عورت محض غلامانہ زندگی بسر کرنے کیلئے مخلوق نہیں ہوئی قدرت اس کو ایک خاص حد تک آزادی عطا فرمائی ہے۔ اور اُسکا فرض ہے کہ اس معتدل آزادی کے حاصل کرنیکے لئے مرد کا مقابلہ کرے مگر اس ہتھیار سے نہیں جو اس کے دوست نما دشمن دور سے اس کو دکھلا رہے ہیں اور جو تمدن و معاشرت کے میدانِ کارزار میں ہمیشہ اس کو ناکام رکھنے والا ہے۔ بلکہ اس عظیم الشان سلاح سے جو قدرت نے خاص طور پر اسکو مرحمت فرمایا ہے۔ اور جسکے مقابلے میں مرد کی طاقت سے باہر ہے کہ وہ ویسے ہی ہتھیاروں سے مدافعت کر سکے۔ تم جانتے ہو وہ ہتھیار کونسی عظیم الشان قوت ہے؟ ہاں تم گذشتہ فصلیں پڑھ چکے ہو اسلئے سمجھ گئے ہو گے کہ وہ ہتھیار عورت کا اپنے فرضِ منصبی کی ذمہ داریوں سے واقف ہونا اور اپنے قدرتی فرائض کو انجام دینا ہے جس وقت عورت اپنے اس قدرتی سلاح سے کام لیگی تو اسکی حکومت دلوں کی سلطنت پر قائم ہو جائیگی۔ اور وہ انسانی احساسات کی "قلمرو کی" "ملکہ" بن جائیگی۔ اسکے اختیار میں ہوگا کہ ملکی حکومت کا پانسہ جس طرف چاہے پلٹ دے۔ اسکے ایک اشارے میں شخصی حکومت جمہوری حکومت میں بدل جائے گی۔ اسکی ذراسی کوشش سے سوشلسٹ اور جمہوری حکومت کا رخ خود مختار شاہی حکومت کی طرف سے پھر جائیگا۔ یہ تمام کامیابیاں اس سلاح کی بدولت کیونکر حاصل ہونگی؟ اس طرح حاصل ہونگی کہ عورت اپنی خواہش کے مطابق بچوں کی پرورش کریگی۔ اور انکے دلوں پر ان خیالات کا نقش کالحجر کر دیگی۔ یہی بچے جوان ہوکر ان خیالاتِ امثال کو اپنا نصب العین بنائیں گے۔ اور بڑی بڑی سلطنتوں میں انقلابِ حکومت کا باعث ہونگے۔ انسان کا پہلا مدرسہ شفیق ماں کی گود ہے۔ اس مدرسہ میں زندگی کے جو اصول سکھائے جاتے ہیں اپنی آئندہ زندگی کے لئے انسان انہی کو دستور العمل قرار دیتا ہے۔

یہی ہے عورت کا ہتھیار، اور بدقسمت ہے وہ عورت جو اپنے قدرتی فرائض کو فراموش کرکے ایسے قوی اور

اسکے حقوق تسلیم کئے ہیں، غلامی اور مفرد آزادی کی خرابیوں کا کیونکر علاج کیا ہے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ یورپ کی تعلیم سے مستغنی ہو جائیں۔ ہمارے رسالے کا "موضوع" اس بحث میں قدم نہیں رکھ سکتا ورنہ ہم دعوے کیساتھ اسلام کے فیصلے کو پیش کرتے اور بتلاتے کہ دنیا کے تمام بنائے ہوئے قانون اور انسان کے تمام بنائے ہوئے طریقے اس الہٰی اور روحانی قانون کے آگے ہیچ ہیں۔ مگر یہاں ہم صرف اتنا بتلانا چاہتے ہیں کہ اسلام نے اس محتاج عورت کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے جسکا شوہر دنیا سے کوچ کر چکا ہو اور کوئی محافظ اور کفیل نہ ہو۔ کیا اسکو گھر سے باہر کی زندگی میں قدم رکھنا چاہیئے۔ اور کیا اسکو اپنی معاش کا انتظام خود اپنے ہاتھوں انجام دینا چاہیئے یا اسکے لئے کسی دوسری صورت کا انتظام ہونا چاہیئے ؟

درحقیقت یہ ایک ضروری سوال ہے۔ "قاسم امین بک" نے بھی اسکو پیش کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "اس صورت میں عورت گھر سے باہر نکل کر اپنی ضروریات کے انتظام کرنے پر مجبور ہے اور لامحالہ اس کو آزادی اور استقلال کی اجازت دیکر منزلی دائرے میں محدود رہنے کے قانون کو توڑنا پڑیگا۔" اسلام نے اس سوال کا جو جواب دیا ہے وہ آج ہم یورپ کے مشہور عقلاء کی زبانی سن رہے ہیں۔ "اسلام" کی تعلیم یہ ہے کہ اس قسم کی محتاج اور لاوارث عورتوں کی ضروریات کا انتظام مسلمانوں کو "بیت المال" سے کرنا چاہیئے بیت المال مسلمانوں کا مشترکہ فنڈ ہے۔ جو امیر وقت کی نگرانی میں ہمیشہ اس قسم کے محتاجوں کی مدد کیلئے تیار رہتا ہے۔ پس "اسلام" میں سوسائٹی یا قوم پر محتاج عورتوں کی امداد واجب کر دی گئی ہے تاکہ معاش کی ضرورتوں سے مجبور ہو کر عورت کو منزلی دائرے سے باہر قدم نہ نکالنا پڑے۔ یورپ کے دانشمند اکابر آج اسی تعلیم پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ اور کوشش کر رہے ہیں کہ گورنمنٹ ان عورتوں کے نفقات کا انتظام قومی فنڈ سے کرے۔ علامہ "اگسٹ کونٹ" انتظام السیاسی میں لکھتا ہے :۔

"شوہر یا کسی اور قریبی رشتہ دار کی عدم موجودگی میں سوسائٹی کا فرض ہے کہ عورت کی ضروریات کا اپنی دولت سے انتظام کرے تاکہ معاش کی ضرورت سے مجبور ہو کر گھر سے باہر کی زندگی میں آپکو مبتلا نہ کرنا پڑے کیونکہ حتی الامکان عورت کی زندگی کو منزلی دائرے میں محدود رہنا چاہیئے اور ہماری کوشش ہونی چاہیئے کہ

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ — عورتیں مردوں کے زیر اثر ہیں۔

اگر عورت مرد کی اس قدرتی اطاعت کو قبول نہیں کریگی تو اسکو مجبوراً منظور کرنا پڑیگا۔ بیرونی زندگی کے جس قدر کاروبار ہیں ان میں ایک کام بھی ایسا نہیں ہے جس میں عورت مرد کا مقابلہ کر سکے۔ اس خطرناک معرکہ میں غلبہ حاصل کرنیکی پہلی شرط جسمانی قوت، جفاکشی اور مختلف آلام و مصائب کو برداشت کرنیکی ہمت اور طاقت ہے۔ اور یہی وہ شرط ہے جس سے عورت کا کشکول خالی نظر آتا ہے۔ دنیا کی قدیم تاریخ کی ورق گردانی کرو تم کو زمانۂ معلومہ کی ابتداء سے لیکر اس وقت تک کوئی زمانہ ایسا نہیں ملیگا جس میں عورت مرد کی مطیع و منقاد نہ رہی ہو۔ دنیا میں ہمیشہ مرد کی حکمرانی رہی ہے اور کبھی عورت نے مردوں پر غلبہ نہیں پایا ہے۔ یہ اس امر کا قدرتی ثبوت ہے کہ کارکنانِ قدرت نے عورت کی پیشانی پر سرنوشت اطاعت لکھدیا ہے کیونکہ "ورڈ آف گاڈ" اور "ورک آف گاڈ" کبھی باہم مختلف نہیں ہو سکتے۔ دنیا کی یکساں اور غیر متغیر حالت "ورڈ آف گارڈ" کا حکم رکھتی ہے اور مسلسل واقعات لسانِ فطرت بن کر بتلاتے ہیں کہ قدرت کا مقصود کیا ہے پس کون ہے جو لسان فطرت کی مخالفت کر سکتا ہے؟

ہاں "خیالی فلسفہ" چاہتا ہے کہ قوانین قدرت میں تغیر ہو، کمزور زور آور پر غالب آجائے اور محکوم حکمرانی کی خواہش میں کامیاب ہو مگر قدرت کے "اٹل قوانین" "بالاتراز عقل انسانی" قوت زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ خیالی فلسفہ ہزار کوشش کرے مگر ناکامی کا داغ اس کی پیشانی سے محو نہیں ہو سکتا۔ وہ قوانین قدرت کے مقابلہ میں ہمیشہ ناکام رہا ہے اور ہمیشہ ناکام رہیگا۔ کیا خیالی فلسفہ نے کمزور قوموں کو طاقتور اقوام کے پنجہ سے چھڑانے کی کوشش نہیں کی، کیا ایک طاقتور آدمی سے اس بات کا مطالبہ نہیں کیا کہ وہ کیوں اپنے زیردست اور کم طاقت بھائی کے ساتھ ہر حیثیت میں مساوی ہونے کیلئے تیار نہیں ہے؟ کیا اس نے دنیا کو اس خیال کی دعوت دینے میں کوئی کسر اٹھا رکھی کہ طاقتور افراد کو "قانون مساوات" پر عمل کر کے اپنے اعلیٰ اور افضل مرتبوں کو خیرباد کہہ دینا چاہئے مگر ان کوششوں کا انجام کیا ہوا؟ "فلسفہ تاریخ" بتلا رہا ہے کہ عالم کائنات کے وہ اسرار جن کو حکمت الٰہی نے اعمال انسانی پر حکمران بنایا ہے ایک منٹ اور ایک

عظیم الشان ہتھیار کو اپنے حرماں نصیب ہاتھوں سے کھو دے۔ کیا عورت تمدنی دنیا میں مردوں کی برابری اور انکا مقابلہ کرنا چاہتی ہے؟ کیا یہ سچ ہے کہ وہ معاشی زندگی کے قدرتی مشاغل سے گھبرا اٹھتی ہے اگر یہ سچ ہے تو اسکو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اب وہ زمانہ بہت قریب ہے کہ جب وہ اپنے تخت سلطنت سے اتار دی جائیگی اور اس مرکز سے دور کر دی جائیگی جسپر قائم رہنا اسکے لئے تمام انسانی سعادتوں اور حقیقی آزادی کا مبدا تھا۔

یہ قدرتی سلاح عورت کو اسی حالت میں مل سکتا ہے جب وہ سیکھے کہ ماں بننے کی صلاحیت کیونکر حاصل ہوسکتی ہے؛ وہ اپنے قدرتی فرائض پر نظر ڈالے اور تربیت کے ان اسرار اور عجائبات کا غور سے مطالعہ کرے جو بزدل کو بہادر، بخیل کو صاحب کرم، شخصی حکومت کے شیدا کو جمہوری حکومت کا شیفتہ اور سوشلسٹ حکومت کے عاشق کو خود مختار شاہی حکومت کا فدائی بنا دیتے ہیں۔ "صحیفۂ فطرت" علمی دلائل اور علمائے یورپ کے اقوال بالاعلان دعوی کر رہے ہیں کہ عورت خواہ کتنی ہی کوشش کرے اور آسمان ہفتم کے تارے توڑ لائے مگر جسمانی اور عقلی قوت کی سطح پر مرد کی برابری نہیں کر سکتی۔ غلطی اور سخت غلطی ہو گی اگر اس دعوے کا مفہوم یہ سمجھا جائے کہ عورت بالفطرت اسلئے کمزور بنائی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ دنیا میں زیردست رہے اور مرد اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھائے۔ عورت کو جس غرض سے دنیا میں مخلوق کیا گیا ہے وہ نسل انسانی کی بقا اور اسکی کثرت ہے۔ اس قدرتی فرض کے لحاظ سے اس امر کی ضرورت نہ تھی کہ عورت کو تمدنی دنیا میں زیادہ بلند کیا جاتا۔ اس کام کیلئے مرد مخلوق کیا گیا، اور نامعلوم زمانے سے وہ اپنے فرض کو انجام دے رہا ہے۔ عورت کو وہ قوتیں عطا کی گئیں جو اسکے قدرتی فرض کی انجام دہی میں مدد دیں۔ اور مرد کو جسمانی اور عقلی قوی کی وہ طاقت بخشی گئی جو اسکے تمدنی فرائض کی بجا آوری کا ذریعہ ہوں، پس اس حیثیت سے دونوں جنسوں کا درجہ "مساوی" ہے اور دونوں نظام کائنات میں برابر کا حصہ رکھتے ہیں۔ لیکن چونکہ عورت کا قدرتی فرض اس امر کیلئے مستلزم ہے کہ مرد کے ماتحت رہ کر اسکی معنوی خاصیت نشوونما پائے اس لئے عورت پر اس کی بہتری اور ترقی کیلئے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ وہ پوری طرح مرد کے زیر اثر رہے یہی وہ اطاعت اور ماتحتی ہے جسکو "اسلام" کے "مجموعۂ قوانین" نے ذیل کی دفعہ میں ظاہر کیا ہے :-

قوانینِ قدرت کی تعلیم سے روگردانی کی تھی اور خدا کے بنائے ہوئے حدود کو توڑنا چاہا تھا۔ مگر ان اقوام کا نتیجہ
یہ ہوا کہ سوسائٹی میں ایسے رنج دہ اور برباد کن نتائج پیدا ہو گئے جنہوں نے انکو رفتہ رفتہ برباد کر دیا
اور اس طرح بے نام و نشان کر دیا کہ آج ہم انکے وجود سے بھی بے خبر ہیں فلسفۂ تاریخ نے اس قسم کے تاریخی
شواہد اور گذشتہ امم کے حوادث کو ایک علمی استقرار قرار دیا ہے جس کے پیشِ نظر ہونے کے بعد ممکن
نہیں کہ خیالی فلسفہ کی دلفریبی سے طبیعت متاثر ہو۔

علامہ "ودفاریدی" انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ :۔

"ہمارے زمانہ میں عورتوں کی خیر خواہی اور انکی حالت کی اصلاح کے متعلق جو تحریک شائع ہو رہی
ہے۔ یقیناً اسکا انجام یہی ہوگا کہ عام تجربے کی تصدیق ہو جائیگی۔ نوعِ انسانی دنیا کے ہر ایک گوشہ میں
ایک عرصۂ دراز تک ایک ایسے طرزِ معاشرت کی زندگی بسر کرتی رہی ہے جو اس سوسائٹی کی حالت سے
بھی زیادہ حقیر اور ذلیل تھی جسکی وجہ سے آج عورتوں کی حالتِ زار پر آنسو بہائے جاتے ہیں مگر قرونِ
وسطیٰ سے ترقی یافتہ قوموں کی سوسائٹی بتدریج اس حالت سے نکلنے لگی۔ اور رفتہ رفتہ قدیم ذلت
اور حقارت سے پاک ہو گئی۔ کیونکہ سوسائٹی کی خرابی ایک ایسی عارضی حالت تھی جسکو گذشتہ زمانہ جہالت
کے اثرات نے پیدا کر دیا تھا یہ وہ زمانہ تھا جس میں حاکم اور محکوم کا امتیاز کسی عضوی مسئلہ پر مبنی نہ تھا (یعنی جیسا تعلق مرد
اور عورت میں ہے کیونکہ ان میں باہمی عضوی اختلاف ہے") اس کے بعد مرد اور عورت کے باہمی معاشرتی تعلقات کے
" مگر مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی اطاعت شعاری ایک ایسی چیز ہے جسکی اور تمام باتوں کے
برعکس کوئی حد نہایت نہیں قرار پا سکی۔ وہ بتدریج عام اخلاقی ترقی کے ساتھ موافقت کرتی رہی کیونکہ
اسکا تعلق براہِ راست عورت کے اس طبعی ضعف سے ہے جسکا تدارک ممکن ۔ عورت کی یہ قدرتی
کمزوری علم الحیات "(بیالوجی) کے اصول و تجارب اور روزمرہ کے معاشرتی مشاہدات سے ثابت ہو چکی
ہے اور اس درجہ مسلم ہے کہ اس سے انکار کرنا اصول علمی سے انکار کرنا ہے۔ "علم الحیات" تشریحی اور
فزیالوجی اصول کی بناء پر نہایت وضاحت کے ساتھ بتلاتا ہے کہ حیوانی سلسلہ میں عام طور پر اور انسان میں

پل کیلئے بھی متغیر نہ ہوئے۔ قوانین قدرت کا تسلط اپنی پوری قوت اور طاقت کے ساتھ دنیا پر قائم رہا۔ اور خیالی فلسفہ کے داعی ناکامی کا داغ ناقابلِ عمل فلسفے کی طرح اپنے ساتھ ساتھ قبروں میں لے گئے۔

تم نوعِ انسانی کے چند ضعیف افراد ہو۔ قوانینِ قدرت کے مقابلہ کرنے کی جرأت کرتے ہو تو اپنی قوت کا بھی اندازہ کرلو۔ "قدرت" تمہاری خواہش کی پابند ہے؟ کیا "قدرت" تمہارے اشاروں کے مطابق چلنے پر مجبور ہے؟ صاف صاف بتلاؤ تم نے قدرت کے عجائبات کو کیا سمجھا ہے؟ قدرت دنیا کی آسائش اور انتظام پر نظر رکھے یا تم ایسے چند ضعیف افراد کی خواہش پر؟ عالم کائنات جس روش پر چل رہا ہے۔ ہمیشہ اسی روش پر چلے گا۔ اگر تم اس کی روش کو پسند نہیں کرتے تو در و دیوار کی قوتِ جذب و دفع سے اپنے خبط کا علاج کرو۔ قوانینِ قدرت کا نکتہ شناس اور اُستاد الاساتذہ علامہ "اگسٹ کونٹ" النظام السیاسی علی حسب الفلسفۃ الحسیہ میں لکھتا ہے:۔

"ہم بغیر اسکے کہ عورتوں کی آزادی کے ناممکن الحصول خیالی ہنگاموں کو توڑنے کی تکلیف گوارا کریں نظام حقیقی اور قانونِ قدرت کی قدرشناسی کیلئے ہم پر سب سے پہلے اس بات کا احساس کرنا فرض ہے کہ اگر کسی زمانے میں عورتوں کو وہ مادی مساوات حاصل ہو جائے جسکو اسکے خواہ مخواہ کے ہمدرد اور وکیل طلب کر رہے ہیں تو صرف عورتوں کی اخلاقی حالت کو ہی صدمہ نہیں پہنچے گا بلکہ سوسائٹی کے قیام و انتظام کیلئے عورت کی جو ذمہ داری قدرت نے مقرر کردی ہے۔ وہ بھی ٹوٹ جائیگی کیونکہ ایسی حالت میں عورتوں کو روزانہ قوی مزاحمتوں کے پیش آجانیکی وجہ سے اکثر کاموں میں اپنی عاجزی سے تنگ آجانا پڑیگا۔ اور معاشرت و تمدن کے نہایت سرسری اعمال انجام نہ پاسکیں گے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرت کی دلفریبی مصائب اور آلام سے مبدل ہو جائیگی۔ منزلی زندگی کی شیرینی میں تلخی پیدا ہو جائیگی۔ مرد اور عورت کی باہمی اور مشترک محبت کا صاف سرچشمہ مکدر ہو جائے گا اور کشاکش کائنات میں یہ دونوں جنسیں آج جس طرح مل جل کر مسرت بخش زندگی بسر کر رہی ہیں۔ بالکل مفقود ہو جائیگی۔

ہم سے پہلے بھی دنیا میں ایسی قومیں گزر چکی ہیں جن پر اسی قسم کے مہلک خیالات محیط ہوگئے تھے۔ انہوں نے

"میرے خیال میں عورتیں اپنی آزادی کی کوشش کر رہی ہیں۔ یہ ایک نری دیوانگی ہے جو افسوس ہے کہ اس جنس کو لاحق ہوگئی ہے۔ عورتوں کی یہ علت اس امر کا بین ثبوت ہے کہ اب ان میں اپنی قابلیت پہچاننے اور بذاتِ خاص اپنے معاملات کو انجام دینے کا مادہ ہی نہیں رہا۔"

پھر اس کے بعد یہ محرمِ راز اسرارِ قدرت علمی دلائل سے اپنی رائے کو تقویت دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ:-

"عورتوں اور مردوں میں جنسیت کا جو فصل پایا جاتا ہے وہ ان دونوں جنسوں کو مساوی صورت میں الگ نہیں کرتا بلکہ باہمی مشابہت کے ساتھ ایک دوسرے کو الگ الگ کرکے قوت وضعف کے اہم اختلافات کو پیشِ نظر کر دیتا ہے جو حیوانات کی نوعوں اور جنسوں میں پایا جاتا ہے۔ پس اس فصل اور اختلاف کی وجہ سے عورت اور مرد کا ہم شریک بنکر رہنا ناممکن اور محالِ قطعی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ عورت کا وجود مرد کے تعلق سے اثبات وجود کرتا ہے اور خود اس میں اتنی قدرت نہیں ہے کہ مستقل حیثیت سے اپنے وجود کو قائم رکھ سکے۔ عورت کو ہم اگر ملکی، اور وطنی سمجھتے ہیں تو صرف اس تعلق کی بنا پر کہ وہ ایک وطنی مرد کی بیوی ہے۔ مثلاً ہم کسی جمہوریت کے پریسیڈنٹ کی بیوی کو اسلئے پہچانتے ہیں کہ وہ پریسیڈنٹ جمہوریت کی بیوی ہے۔ لیکن اس رائے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورت دنیا میں محض ایک بیکار چیز ہے جو عالم کائنات میں کسی قسم کا حصہ نہیں لے سکتی کیونکہ قدرت نے اسکے ذمہ ان کاموں سے زیادہ اہم اور زیادہ باعظمت کام مقرر کر دئے ہیں جو مرد تمدنی دنیا میں دیا کرتا ہے بلکہ میری اصلی غرض یہ ہے کہ چونکہ تمدنی مشاغل میں شرکت اسکے فرضِ منصبی کا نقیض ہے اسلئے اسکے دماغی اور جسمانی قویٰ کو تمدنی اعمال کے انجام دینے کی طاقت قدرت نے نہیں بخشی۔"

اسکے بعد سوشلسٹ فیلسوف نے اپنی تمام رائے کا خلاصہ ذیل کی سطروں میں لکھ کر اس بحث کا خاتمہ کر دیا ہے۔ انتہائی دیوانگی اور جنون کا نمونہ ہے وہ شخص جو ان سطروں سے متاثر نہ ہو:-

"خلاصہ یہ ہے کہ میں اس بات پر پوری قوت سے آمادہ ہوں کہ مشاہدات، براہین اور تجارب سے ثابت کر دوں کہ جس طرح عورت قوت میں مرد سے بدرجہا کم ہے اسی طرح کاروباری دنیا، اخلاقی میدان اور عالمِ فلاسفہ میں بھی مرد سے بہت

خاص طور پر مادہ (جنسِ اناث) کی ترکیب بچوں کی اصلی حالت سے بہت مشابہت رکھتی ہے اور یہی حالت عورت میں اپنے مدِ مقابل (جنسِ رجال) کی ترکیب عضوی سے کم درجہ رکھتی ہے۔"

نوعِ انسانی کے چند ضعیف اور ذلیل افراد فاطر السمٰوات کے مقرر کئے ہوئے قانون میں ایک عجیب و غریب لڑائی جاری ہے۔ یہ ضعیف انسان اسکے بنائے ہوئے قانون کی پرواہ نہیں کرتا۔ اسکو نظرِ حقارت سے دیکھتا ہے اور اسکی مخالفت پر آمادہ ہے۔ مگر قانونِ قدرت کی مستحکم اور اٹل حکومت عالم کائنات پر محیط ہے۔ وہ اپنے اصولوں پر قائم ہے اور اپنے مدِ مقابل کی اس حریفانہ جرأت کو بعینہٖ اسی طرح دیکھ کر ہنس رہا ہے جس طرح ایک تجربہ کار بوڑھا کسی شیر خوار بچے کو نیرِ اعظم کی شعاعوں کی مخالفت پر آمادہ دیکھ کر مسکرا دیتا ہے۔ یہ ضعیف اور اسرارِ قدرت سے بے خبر انسان عورت کے قدرتی ضعف کو اپنی مادی اور مصنوعی کوشش سے دور کرنا چاہتا ہے اور مرد کا مدِ مقابل بنانا چاہتا ہے مگر قدرت اپنے قانون الرجال قوّامون علی النساء پر نہایت استحکام اور مضبوطی سے قائم ہے اور اپنے ذلیل حریف کو کوشش اور سعی کے تمام ارمان نکال لینے کا موقع دے رہا ہے۔ عالمِ کائنات میں ذرہ سے لیکر عظیم الشان مخلوقات تک کوئی ہستی اس دعویٰ کی جرأت کرسکتی ہے کہ یہ ضعیف انسان قانونِ قدرت کے معاملہ میں کامیابی حاصل کرے گا؟ کیا کوئی ایک پل کیلئے بھی یقین کرسکتا ہے کہ ضعیف انسان کی کوشش قانونِ قدرت کی حکومت کو متزلزل کردیگی؟ کون ہے جو ایسا یقین کرسکتا ہے اور کون ہے جو یقین کرکے اپنی دیوانگی اور جنون کا قطعی ثبوت دے سکتا ہے۔

میڈم ہیر کورٹ کی کوششوں سے علمی دنیا بے خبر نہیں ہے۔ اس نے عورتوں کے حقوق کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا تھا اور مردوں کو دھمکایا تھا کہ عنقریب اسکی کوششیں کامیاب ہو کر غالب کرونگی۔ لیکن جب اس نے مشہور سوشلسٹ فلاسفر علامہ پروڈن سے بذریعہ تحریر دریافت کیا کہ مسئلہ "حقوقِ نسواں" کے متعلق اس کی کیا رائے ہے؟ تو علامہ موصوف نے ایک تفصیلی جواب دیکر اس کے تمام دعووں اور مساواتِ حقوق کے ہنگاموں کی قلعی کھول دی۔ عورت کے متعلق علامہ مذکور لکھتا ہے:-

کی شعاع کسی ناچیز ذرہ کو درخشاں کر دے اور وہ اپنی چمک سے مغرور ہو کر اس عظیم الشان ہستی سے مقابلہ کرنے کیلئے آمادہ ہو جائے۔ "علم" ایک فضائے بسیط ہے جس میں ہزارہا اور لاکھوں ستارے موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں۔ تم نے تو ابھی لاکھوں میل کے فاصلہ سے صرف ایک چھوٹے ستارے کی جھلک دیکھ پائی ہے۔ اور اس پر اس قدر مغرور ہو گئے ہو گویا اس فضائے علم کا ذرہ ذرہ تمہارے دماغ میں موجود ہے۔ ابھی لاکھوں ستارے ہیں جنکو نہ تمہاری آنکھوں نے دیکھا ہے اور نہ تمہارا ظرف ان کے باعظمت وجود کے نظارہ کا متحمل ہو سکتا ہے "علم"! "علم"! کے نعرے لگا کر دنیا کی علمی مصروفیت اور تمدنی سکون میں خلل ڈال رہے ہو۔ بتلاؤ تم نے "علم" کس چیز کو سمجھا ہے؟ وہ کونسا "علم" ہے جس نے تم کو سرکش اور مغرور بنا دیا ہے؟ اور وہ کون سے معارف ہیں جنکی نخوت نے تم کو قانونِ الٰہی کی مخالفت کی باغیانہ جرأت دلا دی ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ تم نے "حرارت" کے چند طبعی قوانین کا پتہ لگایا ہے ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے "قانونِ کشش" اجسام کو ایک اضطراری واقعہ کی بنا پر دریافت کر لیا ہے تو کیا یہی وہ معارف ہیں جنکی دریافت کا غرور تم کو قدرت کے مقابلہ کیلئے تیار کر رہا ہے؟ کیا اسی قسم کی وہ تحقیقات ہیں جنکی وجہ سے تم اپنے آپکو اسرارِ کائنات کا "محرم" سمجھتے ہو؟ اگر یہ سچ ہے تو تم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ تمہارے "علم" پر "جہل" ہنس رہا ہے اور تمہاری معلومات کو بے خبری نظرِ حقارت سے دیکھ رہی ہے۔ تمہارا "علم" اسرارِ کائنات کے مقابلہ میں اس سے بھی زیادہ حقیر ہے جس قدر تم معلمِ اول کے علم کے مقابلہ میں ایک چیونٹی کے دماغ کو سمجھتے ہو۔ تمہارا وہ ذہن جس کو تم انسان کی ذہنی ترقی کا انتہائی درجہ سمجھتے ہو تمہاری بربادی کا باعث ہوگا۔ اور تمہارا وجود جسکو تم انسان کیلئے طرۂ افتخار یقین کرتے ہو، "اشرف المخلوقات" کیلئے باعثِ ننگ و عار ثابت ہوگا۔ کاش کہ تم کو معلوم ہوتا کہ تم کس قدر حقیر اور ذلیل ہو! کاش کہ تم سمجھتے کہ قانونِ الٰہی کے تم کتنے بڑے مجرم اور کس درجہ مستوجبِ سرزنش مجرم ہو۔ آہ! تم "باغی" ہو اور نہیں جانتے کہ جرمِ بغاوت کس سزا اور عتاب کا مستحق ہے۔ آہ! تم خدا کے قائم کئے ہوئے حدود کو توڑنا چاہتے ہو اور نہیں سمجھتے کہ "بغاوت" اسی کا نام ہے تم اسرارِ کائنات کے بے انتہا خزانوں کا ایک حقیر موتی پاکر مغرور ہو گئے ہو اور سمجھتے ہو کہ "ہم کائنات کے تمام علوم اور قوانین پر حاوی ہو گئے ہیں"۔ حالانکہ تمہارا ظرف ان کی ایک جھلک دیکھ لینے کا بھی متحمل نہیں ہو سکتا۔ تم "اہرامِ مصری" کے بانیوں کو بھول گئے ہو۔ تم نے معلمِ اول کی قوم اور ملک کو فراموش کر دیا ہے۔ یہ وہ قوانین ہیں جنہوں نے تہذیب و شائستگی کے میدان میں تمام دنیا کو اپنے پیچھے چھوڑ

پیچھے پڑی ہے اور قدرت کا مقصود یہی ہے کہ ہمیشہ پیچھے پڑی رہے۔ پس اگر سوسائٹی میں عورت نے وہ اقتدار حاصل کر لیا ہے جس کیلئے تم کوشش کر رہے ہو اور مرد کے مقبوضات میں داخل ہوگئی تو اسے میرے عزیز دوست! اچھی طرح سمجھ لو کہ پھر عورت کا معاملہ حد سے گذر جائیگا اور صاف صاف یہ ہے کہ استعباد اور غلامی میں گرفتار ہو جائیگی۔"

یا للاسف کیا ایسے قطعی اور علمی احکام کو سن کر بھی تم عورتوں کو آزادی دلانے کی مہلک سعی سے باز نہیں آؤ گے؟ کیا علامہ پروڈون جیسے نکتہ شناس قوانین الٰہی کی تحریر اس امر کا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ فطرۃ اور علم صحیح تمہارے وہمی خیالات کی بالکل مخالف ہیں؟ کیا ابتکار النظام کے جدید مصنف نے صاف صاف نہیں کہدیا کہ مساواتِ حقوق کی کوشش قوانینِ الٰہی کو توڑنے کی کوشش ہے؟ کون ہے جو جواب نفی میں دے سکتا ہے؟ اور کون ہے جو جنوب کو شمال اور مغرب کو مشرق بتلا سکتا ہے؟ ہاں! بیشک آزادیٔ نسواں اور مساواتِ حقوق کا خیال قوانینِ الٰہی کی عظمت کا مقابلہ ہے۔ تم قوانینِ فطرت کا مقابلہ کرنا چاہتے ہو، مگر افسوس ہے کہ یہ نہیں بتلاتے کہ تم کون ہو اور تمہاری ہستی کیا ہے؟

ہاں ہمکو معلوم ہے کہ تم کون ہو اور تمہاری ہستی کیا ہے؟ تم ذلیل اور ضعیف انسان ہو، سرکش ہو اور مغرور ہو ناقص علم کے نشہ نے تم کو سرشار کر دیا ہے۔ اور خیالی فلسفہ کی غفلت سے تم مدہوش ہوگئے ہو، تم سمجھتے ہو کہ قوانینِ الٰہی کے سمندر کو ہم نے طے کر لیا ہے۔ حالانکہ تم ابھی اسکے کنارے تک بھی نہیں پہنچے ہو، تم سمجھتے ہو کہ حقائق اشیا کے لق ودق میدان کا ہم نے کونہ کونہ چھان مارا ہے۔ حالانکہ تم نے اسکی ایک جھلک بھی نہیں دیکھی "نیوٹن" دریائے علم کے کنارے اپنے آپکو ایک بچہ سمجھتا ہے مگر تمکو وہم وجنون نے یقین دلا دیا ہے کہ تمہارے قدم اسکی تہ تک پہنچ گئے ہیں۔ "بیکن" میدانِ حقائق میں اپنے آپکو سنگریزہ سمجھتا ہے مگر غرور اور سرکشی نے تم کو اس وہم میں ڈال دیا ہے کہ تمہاری آنکھوں میں اسکے ذرہ ذرہ کا عکس موجود ہے تم اپنی ذلیل اور حقیر ہستی کو بھول گئے ہو۔ اور وہم وغرور کی خوشامد نے تم کو ایک خطرناک دھوکہ میں ڈال دیا ہے آہ! تم فاطِرِ السّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے قوانین کا مقابلہ کرنا چاہتے ہو، حالانکہ تمہاری ہستی ضعیف ترین، تمہاری معلومات محدود اور تمہارا علم بالکل ناقص ہے۔ تمہاری مثال عالم کائنات کے اسرار اور عجائب کے مقابلہ میں (بقول بیکن) بالکل ایسی ہے جیسے نیر اعظم

تلاش میں ہزاروں قرنوں سے آفات سماوی کا مقابلہ کر رہی ہیں۔ مگر یہ قومیں اس طرح نابود اور معدوم ہو گئی ہیں کہ دنیا کے کسی کونے سے ان کی آواز نہیں آتی۔ اور عالم کائنات ان کا نشان بتلانے سے عاجز آ گیا ہے۔

تم ان قوموں کے حالات سے عبرت پکڑو۔ ان کی ترقی کو دیکھو اور پھر ان کے تنزل کے صفحات کا مطالعہ کرو۔ تہذیب و شائستگی کے لحاظ سے یہ قومیں اپنی دنیا میں وہی درجہ رکھتی تھیں جو آج "مشرق" کی تاریکی کی بدولت تم کو حاصل ہے۔ مگر فاطر السمٰوٰت والارض کے اٹل قوانین کی سرتابی نے انکو چشم زدن میں برباد کر دیا اور اس طرح نابود و معدوم ہوگئیں گویا دنیا میں ان کا کبھی وجود ہی نہ تھا۔ تم "فراعنہ" کے قدیم دارالحکومت کی سیاحت کرتے ہوئے "اہرام" مصر کی نہایت غرور و فکر سے پیمائش کرتے ہو۔ تم نہیں سنتے کہ رعمسیس کے تخت گاہ کا چپہ چپہ زبانِ حال سے کیا کہتا ہے؟ تم نہیں سنتے کہ اہرام کی چوٹیاں اپنے نظارہ کرنے والوں سے رو رو کر کیا کہتی ہیں؟ آہ! وہ اپنے رہنے والوں کا جانگداز قصہ سناتا ہے۔ اور یہ اپنے بنانے والوں کی دردانگیز سرگزشت سناتی ہیں۔ وہ اپنے دیکھنے والوں کو زبانِ حال سے نصیحت کرتا ہے کہ:۔

جن قدموں کے تلے مجھے رہنے کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ ان کی عظمت اور شوکت کا ثبوت میری پامال زمین کا چپہ چپہ دے رہا ہے مگر قوانین الٰہی سے بغاوت نے ان کی عظمت کو ذلت اور ہلاکت سے مبدل کر دیا ہے اور ان کی ترقی تنزل سے مرعوب ہو گئی۔ آج مصر کے عتیق خانے میں جا کر ان کی پر ہیبت صورتوں کا نظارہ کر لو کیسے قد و قامت کے لوگ تھے اور کیسی کیسی عظیم عمارتیں انکے قوی ہاتھوں نے تیار کی تھیں لیکن آج عالم کائنات کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک ان کا کوئی نام لیوا بھی نظر آتا ہے؟ یہ کیوں ہوا؟ صرف اس لئے کہ نفرت اور غرور نے ان کی گردنوں کو قوانین الٰہی کی طرف موڑ دیا اور خدا کے قائم کئے ہوئے حدود کو انہوں نے نظرِ حقارت سے دیکھا۔ نظرِ اغماض سے مجھ کو دیکھنے والو! کہیں تم بھی ان کی طرح اپنے ہاتھوں برباد اور ہلاک نہ ہو جانا۔

اسی طرح فراعنہ کا منارۂ عظمت اپنے نظارہ کرنے والوں کو نصیحت کرتا ہے کہ:۔

میرے بنانے والے تم سے زیادہ قوی اور طاقتور تھے مگر قوانین الٰہی کے احکام کے

دیا تھا۔ علوم اور حکمت پر تنہا قابض ہو گئے تھے۔ انہوں نے بڑی بڑی تحقیقات کیں، عظیم الشان عمارتیں تعمیر کیں۔ اور فلسفہ و حکمت کا بنیادی پتھر نصب کیا۔ لیکن آج وہ قومیں کہاں ہیں جو دنیا کے کس کونے میں چھپی نہ بیٹھی ہیں۔ "ہیروڈوٹس" کو بلاؤ۔ وہ دنیا کا ایک چکر لگائے "منطقہ باردہ" سے "منطقہ حارہ" تک کا سفر کرے اور "ہرمان" کے بانیوں کو تلاش کرے ہم کو بتلائے کہ وہ باعظمت وجود کیوں اب دنیا کو اپنی صورت نہیں دکھلاتے؟ "ابوالہول" کی آنکھیں انکے انتظار میں پتھرا گئی ہیں اور "مدفن اہرام" انکے بغیر وحشت کدہ بن رہا ہے۔ ہاں! "ہیروڈوٹس" سے پوچھو کہ "ابوالتعمیر" اور "ابوالحکمت" اب دنیا سے کیوں ناراض ہو گئے ہیں؟ "کوہ المپس" کی چوٹیاں بلند ہو ہو کر انکو تلاش کر رہی ہیں اور یونان کی شہزادی "ایتھنس" ان کے انتظار میں "مریخ" اور "مشتری" کے مظالم سہہ رہی ہے۔ آہ! "ہیروڈوٹس" کی دنیا ہلاک ہو گئی۔ اب اسکی خبر نئی دنیا کو نہیں مل سکتی۔ "ابوالہول" انتظار کرتے کرتے تھک جائیگا اور "یونان" کی شہزادی آسمانی دیوتاؤں میں مدغم ہو جائے گی مگر ان قوموں کا کچھ سراغ نہیں ملیگا۔ یہ وہاں پہنچ گئی ہیں جہاں سے ان کی نہ کوئی خبر آسکتی ہے اور نہ ہماری تحریر ان کو پہنچ سکتی ہے مگر آہ! تم نہیں سوچتے کہ اس عظمت اور جبروت کی قومیں کیوں عالم کائنات سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دی گئیں یہ علوم و فنون کا مخزن تھیں اور تہذیب و شائستگی کی بانی تھیں پھر انہوں نے کونسا ایسا قصور کیا تھا جس کی پاداش میں ان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا؟ تم اپنی تاریخی معلومات سے مدد لو۔ "آرکیالوجی" کے آثار و نتائج کا مطالعہ کرو۔ اور "کالڈیا" کی اینٹوں کے نقوش کو پڑھنے کی کوشش کرو۔ تم کو معلوم ہو جائیگا کہ انہوں نے قدرت کے مقدس قوانین سے سرتابی کی تھی۔ خدا کے قائم کئے ہوئے حدود کو توڑنا چاہا تھا۔ اور نوامیس الہی کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ انہوں نے قوانین قدرت کی الہی حکومت سے بغاوت کی تھی اور فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے اختیارات کو نظر حقارت سے دیکھا تھا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جرائم کے نتائج جرمس بن کر قوم اور سوسائٹی کے عضو میں سرایت کر گئے اور تنزل و ترقی کا قانون رفتہ رفتہ اپنے اختیارات سے کام لینے لگا۔ آسمان گرد آلود ہو گیا اور غلیظ بادل نے نیلے رنگ کے خوش منظر گنبد کو چھپا لیا۔ وہی قومیں جن کی شوکت، ترقی، تہذیب و شائستگی کا اعلیٰ ترین نمونہ تھی عبرت انگیز طریقہ سے برباد اور ہلاک ہو گئیں۔ اور آج کل ان میں ان کی تمدنی املاک دوسری قوموں کے قبضے میں نظر آنے لگیں۔ "اہرام" کا سر بفلک دیو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان کو تلاش کر رہا ہے۔ "ابوالہول" کی آنکھیں انکے انتظار میں سفید ہو گئی ہیں۔ اور "ریلیس" کی چوٹیاں ان کی

تھا۔ ممکن نہیں کہ تم اس عجیب منظر کو بھول جاؤ۔ ہاں! وہ یورپ کا استاذ الاساتذہ ہے۔ وہ
فلسفۂ ہستی کا مجدد اور موسس ہے۔ تم کو قاسم امین بک کی وہ صورت بھی یاد ہوگی جس پر صدر مجلس
کی تقریر نے ناکامی اور خجالت کے اثرات پیدا کر دئے تھے۔ تم کو فرید وجدی کا وہ بشاش چہرہ بھی
یاد ہوگا۔ جو زیر لب خندہ سے اپنے ناکام حریف کی موجودہ خجالت کی ایک اور تہ چڑھانا چاہتا تھا
ہم کو امید نہیں بلکہ یقین ہے کہ "تدمل سیمان" جیسے محقق کی تقریر نے تمہاری اچھی طرح تشفی
کر دی ہوگی۔ علامہ "ڈوٹروشیہ" کے لیکچر نے تمہارے دل سے تمام شکوک رفع کر دئے ہونگے
اور عورتوں کے فرضی وکیل جو بے سر وپا دلائل پیش کیا کرتے ہیں۔ ان کی وقعت اور اہمیت سے
تمہارا دانشمند دماغ خالی ہو گیا ہوگا۔ کیا قاسم امین بک" کے حامی" مے تن جازو" اور" فرش لو"
بلیک منٹ کے لئے بھی اس آفتاب فضل وکمال کے سامنے ٹھہر سکتے ہیں۔؟ کیا ان کی حمایت قاسم
امین بک اور اس کے ہم خیال لوگوں کے لئے مفید ہو سکتی ہے؟ کون ہے جو اثبات میں جواب دے
سکتا ہے؟ اور کون ہے جو اثبات میں جواب دیکر اپنی ناواقفیت اور لاعلمی کو ثابت کر سکتا ہے؟
جبکہ یورپ بجز متفقہ لفظوں میں اس کے فضل وکمال کا معترف ہے اور کشورستان علم کا تاجدار
تسلیم کرتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ پروڈن اور موئل سمائلس کس پایہ کے مصنف ہیں۔ آخر الذکر کے
مبارک نام سے تم ضرور واقف ہو گے۔ کیونکہ تم تعلیم یافتہ ہو اور کوئی تعلیم یافتہ ایسا نہیں ہے
جس کی الماری "ڈیوٹی"، اور "سلف ہلپ" سے خالی ہو۔ مگر اول الذکر کے فضل وکمال سے اگر واقف
ہونا چاہتے ہو۔ تو انسائیکلو پیڈیا کی ورق گردانی کرو۔ یہ وہ شخص ہے جو "سوشلزم" کا مجدد اور
سرخیل تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کی ایک مشہور تصنیف" ابتکار النظام" پولیٹکل اکانمی اور نظام
تمدن کی باریکیوں کا سرچشمہ ہے۔ ہاں! ہم کو پورا یقین ہے کہ یورپ کی اس منتخب اور اعلم ترین
جماعت کی ملاقات نے تم کو "فرید وجدی" کا ہم خیال اور ہم زبان بنا دیا ہوگا۔ فرید وجدی کی
رائے سے تم کیوں نہ متفق ہو۔ جبکہ تم خود گذشتہ صحبتوں میں دیکھ چکے ہو کہ مشاہیر یورپ
موسسین علوم اور مصنفین انسائیکلو پیڈیا ہمارے فاضل دوست کو تحسین اور اتفاق کی
نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے سب سے آخر میں تقریر کی مختصر اور پر مغز کی۔ اچھی
طرح یاد کرو۔ بزرگ صدر مجلس اور باکمال اراکان مجلس اس کے ہر لفظ پر تحسین اور توصیف
کے نعرے بلند کرتے تھے۔ اور مرحبا کی گونجتی ہوئی آواز دور دور تک لوگوں کو بتلا دیتی تھی کہ مقرر

آگے انہوں نے نخوت اور تکبر سے سر نہیں جھکایا۔ آہ! ان کی قوت اور طاقت خاک میں مل گئی اور ہمیشہ کے لئے دنیا سے نابود کر دی گئی۔

زمانہ حیران ہے کہ ان عظیم الشان مناروں کے بنانے سے بانیوں کا مقصد کیا تھا؟ "رولن" "ہرمان" کو فراعنہ کا مدفن سمجھتا ہے اور مصریوں کی فضول خرچی اور اسراف کو نہایت حقارت اور ذلت کی نظر سے دیکھتا ہے مگر افسوس ہے کہ اصل حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ دیدۂ عبرت سے ان میناروں کو دیکھو۔ یہ اپنے بنانے والوں کا مقصد زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں:۔

ہم اس صحرائے منقش میں اس لئے کھڑے کیے گئے ہیں کہ آنے والی قوموں کو اپنے بنانے والوں کی عبرت انگیز داستان سنا سنا کر نصیحت کریں اور حکومتِ الٰہی سے بغاوت کرنے کا مہلک نتیجہ دنیا کے سامنے پیش کر دیں۔ مبارک ہیں وہ جو ہماری آواز پر کان دھرتے ہیں اور چشمِ عبرت سے ہمارے مجسم نصیحت وجود کو دیکھتے ہیں۔

ہمارے رسالے کی گذشتہ فصلوں سے تم کو بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئی ہوں گی۔ عام خیال یہ ہے کہ یورپ کی جدید علمی ترقی مرد اور عورت کو ایک نظر سے دیکھتی ہے مگر فرید وجدی کی زبانی تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ آج یورپ کے نام سے جس قدر غلط باتیں مشرق میں مشہور ہیں ان میں اس دعویٰ سے بڑھ کر اور کوئی خیال غلط، بے سروپا اور کذبِ محض نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مردوں کے تشدد اور ظلم نے غریب عورتوں کو گھر کی چاردیواری میں مقید کر دیا ہے۔ لیکن گذشتہ صفحات نے تم پر ثابت کر دیا ہوگا کہ مردوں نے نہیں بلکہ خود عورت نے عورتوں کی زندگی کو منزلی دائرے میں محدود کر دیا ہے ہمارے رسالے کی گذشتہ فصلوں کی بدولت یورپ کے جن مشاہیر علماء کی خدمت میں تم کو باریابی کا شرف حاصل ہوا ہے ان میں سے ہر ایک عالم علم وکمال کے دربار کا صدر نشین ہے۔ تم کو اس وقت تک وہ باعظمت مجلس یاد ہوگی جس میں ایک طرف ژول سیمان دوسری طرف ڈوٹرولیشد DUTROCHET سامنے کرسیِ صدارت پر "اگسٹ کونٹ" جیسے رؤسائے فلاسفہ اور مجتہدینِ علوم جدیدہ رونق افروز تھے تم کو وہ مؤثر گھڑی اب تک نہ بھولی ہوگی جب "ژول سیمان" کی ہنگامہ خیز تقریر نے "قاسم امین بک" کے تمام دعووں کی قلعی کھول دی تھی۔ وہ آسمانِ علم کا آفتاب ہے۔ وہ فلسفہ وحکمت کا افضل ترین معلم ہے۔ تم کو وہ منظر بھی یاد ہوگا۔ جب صدرِ مجلس اگسٹ کونٹ کے یادگار پیکر نے "فزیالوجی" و "سائیکالوجی" کی مسلّم تحقیقات کو پیش کر کے عورتوں کے فرضی وکیلوں کے تمام دعووں پر پانی پھیر دیا

یورپ جہاں تمام تحقیقات کا مبدا اور ان تمام محققین کا وطن ہے۔ اسکا طرزِ عمل ان تمام تحقیقات اور آراء کا مخالف نظر آتا ہے۔ جس قوم کے سر آوردہ علماء یہ خیال ظاہر کر رہے ہیں۔ خود وہ قوم ان پر عامل نہیں ہے۔ ہم اقوال کی پیروی کریں یا طرزِ عمل کی؟

ایک مرتب اور مسلسل سلسلہ پیش نظر ہوجاتا ہے۔ شبہات قوی ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سوالات دماغ میں پیدا ہوکر فرید وجدی کی مخالفت پر زور دینے لگتے ہیں۔

کیا یہ سچ ہے کہ علمائے یورپ عورتوں کی مفرد آزادی، مساوات حقوق اور تمدنی مشاغل میں شرکت کے مخالف ہیں؟ اگر یہ سچ ہے تو پھر یورپ خود ان کی اس رائے پر کیوں نہیں عامل ہوتا؟ ہم کو یقین دلایا جاتا ہے کہ عورتوں کا عقلی اور جسمانی ضعف فطری ہے۔ اور قانون قدرت یہی ہے کہ عورتوں کی دنیا مردوں کی دنیا سے بالکل الگ رہے ہم کو علمائے یورپ کے اقوال سنا کر سمجھایا جاتا ہے کہ عورتوں کی مفرد آزادی اور مساوات حقوق کی کوشش تمدن اور معاشرت کو برباد کرنے کی کوشش ہے۔ جب کوئی سرکش قوم قوانین قدرت سے سرتابی کرتی ہے تو مختلف قسم کے تمدنی اور معاشرتی آلام و مصائب کا شکار ہو جاتی ہے۔ پس اگر یہ سچ ہے تو کیا یورپ عورتوں کو مفرد آزادی دیکر تمدن اور معاشرت کی بنیادوں کو متزلزل کر رہا ہے؟ کیا قوانینِ قدرت کی بغاوت نے یورپ کی سوسائٹی میں وہ مہلک مرض پیدا کر دیا ہے جس کی بدولت اقوام سابقہ تباہ و برباد ہو چکی ہیں؟ کیا یورپ کی زندگی خوش حالی اور آرام کی زندگی نہیں ہے؟ ہم کو بتلایا جاتا ہے کہ عورتوں کا قدرتی فرض فرائض منزلی کی بجا آوری ہے مگر یورپ میں عورتیں دنیا کی تمدنی کشمکش میں برابر کی شریک نظر آرہی ہیں۔ تو کیا اس شرکت کے مہلک نتائج یورپ میں پیدا ہو چکے ہیں؟ ہم کیونکر ان سوالوں کا جواب اثبات میں دے سکتے ہیں جبکہ یورپ آج تمدن کا سرچشمہ ہے جب کہ یورپ کی سوسائٹی موجودہ دنیا کی بہترین سوسائٹی ہے۔ جب کہ یورپ آج تمام دنیا کا تمدنی معلم ہے اور جب کہ یورپ ہی دنیا بھر میں ایک ایسا مقام تسلیم کیا جاتا ہے، جہاں کے لوگ معاشرت کا حقیقی لطف حاصل کرتے ہیں۔

رائے سے ارکان مجلس کس درجہ متفق اور ہم آہنگ ہیں۔

گذشتہ صحبتوں کی تقریروں سے تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ مشرق عورتوں کے متعلق جو رائے رکھتا ہے۔ اس کو ظالمانہ رائے کہنا ظلم اور صریح ظلم ہے مشرق اگر عورتوں کو ناقصات العقل والدین کا خطاب دیتا ہے تو کیا ظلم کرتا ہے؛ جبکہ "علمائے یورپ" میں — ایک عالم عورتوں کی عقل کو طفلِ شیر خوار کی عقل "دوسرا" انسان کے ابتدائی اور ناقص دور کی یادگار، اور "تیسرا" ضعیف ترین بتلاتا ہے تم اچھی طرح سمجھ گئے ہو گے کہ عورتوں کی عقل اور جسمانی قوت کے متعلق، علم کے دیوتا کا کیا فیصلہ ہے تم اس نتیجہ پر بھی پہنچ گئے ہو گے کہ عورتوں کے فرضی وکیل جو راگ الاپ رہے ہیں، سائنس کا دیوتا حکم صادر کرتا ہے۔ کہ وہ نہ صرف غلط ہے بلکہ دنیا کے لئے، دنیائے تمدن کے لئے، معاشرت کے لئے اور سوسائٹی کے لئے مضر اور سینکڑوں تمدنی خرابیوں کو پیدا کرنے والی ہے۔

لیکن ابھی ایک اور اہم بحث باقی ہے۔ علم و فضل کے دربار میں باریاب ہوئے مگر رعب و داب نے اس امر کا بہت کم موقع دیا کہ اپنے تمام دلی شکوک رفع کریں گذشتہ صحبت میں یورپ کے اعاظم، اور کبار علما کی تقریروں نے اس امر پر جا بجا زور دیا ہے کہ جس آزادی کے قاسم امین بک اور اس کے ہم خیال طالب ہیں۔ وہ قوانین قدرت کے بالکل خلاف ہے "انسائیکلوپیڈیا" کے مصنفین نے اپنی تقریروں میں اس خیال کو بھی غلط ثابت کر دیا ہے کہ "فزیالوجی" اور "سائیکولوجی" کی تحقیقات مرد اور عورت کو دماغی قویٰ کے لحاظ سے ایک درجہ میں رکھتی ہیں۔ "آگسٹ کونٹ" اور "پرودھن" نے اس پر بھی زور دیا ہے کہ چونکہ عورتوں کی یہ منفرد آزادی قوانین الہٰی اور نوامیس طبعی کو توڑنے والی ہے اس لئے جب کبھی اس پر عمل کیا جائے گا، تمدن اور معاشرت کی بنیادیں متحرک ہو کر بتلا دیں گی کہ منفرد آزادی کا زلزلہ سوسائٹی کی عظیم الشان عمارت کو دم کی دم میں برباد کر دینے والا ہے۔ ان تمام راؤں کے سننے کے بعد طبیعت میں خود بخود چند شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ علم الاعضاء اور علم النفس والقویٰ کی تمام تحقیقات بے سروپا معلوم ہوتی ہے۔ "نزول سیمان" "آگسٹ کونٹ" اور "پرودھن" جیسے آسمان فضل و کمال کے آفتاب تاریکی کے دیوتا نظر آتے ہیں اور فرید وجدی کی ہنگامہ خیز تقریر دنداں شکن جواب اور بے شمار دلائل کی ہیبت آن کی آن میں حقارت اور ذلت سے مبدل ہو جاتی ہے کیوں؟ اس لئے کہ:-

جس کی بنا پر مغربی دنیا کی ہر ادا ہمارے دلوں کو لبھا لیتی ہے۔ تمدن اور علوم کی حیرت انگیز ترقی نے مغربی معاشرت کے عیوب کو چھپا لیا ہے۔ اور مغرب کی نیکیوں نے برائیوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ لیکن ہماری کتاب کی یہ فصل مغربی معاشرت کی تصویر کا دوسرا رخ تمہارے سامنے پیش کر دیگی۔ اور یہ پہلا موقعہ ہوگا کہ تم اس "فصل" کی بدولت یورپ کو بالکل ایک نئی نگاہ سے دیکھو گے۔ وہی یورپ جس کی ہر ادا اور ہر آواز تمہارے دل و دماغ میں رشک تقلید اور تحسین کے جذبات کے تموجات پیدا کر دیتی تھی۔ تم کو اچانک یہ نظر آئیگا کہ خلقت انسانی کا ایک بدترین اور مکروہ ترین نمونہ ہے۔ تم کو یکایک معلوم ہو جائیگا کہ وہی یورپ جو تمام دنیا کو تمدن اور علوم کا سبق دیتا ہے۔ ایسے سخت اور ناقابل علاج اخلاقی امراض میں مبتلا ہے جنہوں نے اس کی زندگی کو پر آلام و مصائب بنا دیا ہے اور اس کی زندگی نمائشی اور متمولانہ شوکت کی سطح پر جس قدر بلند نظر آتی ہے۔ اتنا ہی حقیقی آرام اور معاشرانہ راحت کے میدان میں وحشی قبائل سے بھی پیچھے رہ گئی ہے۔ اس کی متمولانہ زندگی پر ایشیا کی پر افلاس دہقانی زندگی خندہ زن ہے۔ اور اس کی معاشرانہ حالت پر ویسٹ منسٹر ایبے کی انجمن حکماء پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے وہ تمدن کے انتہائی نقطہ پر بڑھ رہا ہے۔ اور اس کی رفتار الف لیلیٰ کے کل گھوڑے سے بھی زیادہ تیز ہے۔ مگر عالم اخلاق کی فضا کا بالائی بوجھ اس کو نیچے کی طرف گرا رہا ہے۔ اور تمدن کی طرف اگر ایک قدم بڑھتا ہے تو اخلاقی نقطہ سے دو قدم دور رہ جاتا ہے۔

ہماری کتاب کی یہ فصل مغربی معاشرت کے طلسم کی کنجی ہے اور تم اس کی مدد سے اس قفل ابجد کو کھول سکتے ہیں جس کو مغربی حسن ظن نے مغربی معاشرت کے صندوق پر لگا دیا۔

حسن ظن، معلومات کی کمی، نظر کی کوتاہی اور جدت پرستی نے مغربی سوسائٹی کی صحیح صورت پر تو پردے ڈال دیے ہیں۔ اور عالمگیر غلط فہمی ہے جس میں بدقسمت مشرق گرفتار ہے۔ ہماری کتاب کی یہ فصل ان مصنوعی پردوں کو یک لخت اٹھانے میں اگر ناکامیاب بھی ہے تو بھی اصلی صورت کا ایک صحیح نظارہ پیش کر دیگی کہ لو کشف الغطاء لما ازددت یقیناً۔

تمہاری نگاہیں بحر احمر کو طے کر کے مغربی سرزمین میں قدم رکھتی ہیں اور روشنی کی ایک جھلک دیکھ رہی ہیں۔ روشنی بہت تیز ہے اور اس میں ایک ایسی سڑک پائی جاتی ہے جس نے تمہاری آنکھوں

لیکن درحقیقت یہ ایک دھوکا ہے جس میں بدقسمتی سے آج مشرق کا بڑا حصہ گرفتار ہے دور کی چیز ہمیں دلفریب معلوم ہوتی ہے اس لئے یورپ کو جس عقیدت اور ارادت کی نظر سے دیکھتے ہو اس کا اقتضا یہی ہے کہ تمہارے دماغوں میں یہ شبہات پیدا ہوں تم کو وہاں کی زندگی نہایت خوشنما اور وہاں کی سوسائٹی بے حد دلکش نظر آتی ہے یورپ کی علمی ترقی اور تمدنی وسعت کی الکٹرک لائٹ نے تمہاری آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے۔ اس لئے حسنِ ظن تم کو اجازت نہیں دیتا کہ کسی مخالف رائے کو آسانی سے تسلیم کرلو۔ مگر جب یورپ کے موجودہ تمدن اور سوسائٹی کی ایک مکمل تصویر تمہارے سامنے پیش کی جائے گی تو سارے عقدے حل ہو جائینگے۔ اور شبہات کا طلسم ہباءً منثوراً ہو جائیگا تم نہایت حیرت کے ساتھ دیکھو گے کہ تمہارا حسنِ ظن کس قدر دھوکہ دینے والا اور اصل حقیقت سے بے خبر رکھنے والا تھا۔ تم سخت متعجب ہوگے کہ یورپ جو علم و فن کا مرجع العلم اور ارباب اور ملجا ہے کس طرح قوانین قدرت کی بغاوت کی پاداش میں معاشرت کے سکون اور ایمان کی نعمت سے محروم ہو گیا ہے۔ وہ ہی یورپ جو مشرق کو نیم وحشی سمجھ کر اس کی سادگی اور جہالت پر ہنستا تھا۔ آج مفردانہ زادی کی بدولت اپنی سوسائٹی کو وحشیانہ ہل چل اور تکلیف دہ خلفشار کا سرچشمہ بنا رہا ہے اور اس کی سوسائٹی اب اس قدر آرام اور راحت بھی نہیں دے سکتی۔ جس قدر امریکہ کا ایک وحشی یا افریقہ کا ایک غیر متمدن درختوں کے جھنڈ سے بنے ہوئے گھروں میں بیٹھ کر نہایت اطمینان اور سکون سے حاصل کرتا ہے۔

کیا تم یورپ کی سوسائٹی کی ایک جھلک دیکھنا چاہتے ہو، کیا تم اس منظر کے مشتاق ہو جو ان شبہات کی کرب اور بے چینی سے تم کو نجات دلا دے، ہاں تمہاری متجسس نظریں اس منظر کی تلاشی میں، ہم تم کو زیادہ انتظار اور تجسس کی تکلیف نہیں دینا چاہتے۔ ورق الٹو۔ آئندہ فصل یہ منظر پیش کر دے گی۔

یورپ کی معاشرانہ زندگی

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلسِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

یہ بڑا خطرناک دھوکہ جس میں موجودہ مشرق گرفتار ہے۔ یورپ ور امریکہ کی نسبت وہ عام حسنِ ظن ہے

گستاخی کے ساتھ عمر قبول نہ کرے کہ دوا ور دو چار ہوتے ہیں۔

تم دنیا اور دنیا والوں پر ایک غائر نظر ڈالو۔ تم کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ اس قسم کے حوادث ان مقامات میں بکثرت وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ جہاں اس قسم کی فریبانہ کارروائیاں افراط سے کی جاتی ہیں اور جہاں فضول ظاہرداری کا حد سے بڑھ کر عمل درآمد ہے۔ دیکھو یہ متمدن قومیں کیسے کیسے عقل کو چکر میں ڈال دینے والی تدبیروں اور مبہوت بنا دینے والے دعووں سے امراض کو روکنے کی فکر کرتی ہیں۔ ادویات ایجاد کرتی ہیں اور حفظان صحت کے انتظاموں پر کروڑوں روپے سالانہ خرچ کر دیتی ہیں۔ مگر بایں ہمہ جد و جہد جب غور سے دیکھا جائے تو جس قدر مہلک اور سخت امراض شہروں اور خاص کر زیادہ آباد متمدن مقاموں میں پھیلے ہوئے ہیں ان کے بالمقابل وحشی اور صحرا نشین سادہ مزاج قوموں میں کہیں ان امراض کا نام و نشان بھی نہیں دیکھا جاتا۔ حالانکہ ان بے چاروں کے پاس نہ حفظان صحت کے محکمے ہیں اور نہ بلند خیال اور تجربہ کار ڈاکٹر نہ بیماریوں سے بچنے کے ایسے وسائل جن کو عقلمند کی عقل تسلیم کر سکے۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے؟ یہی کہ وہ ابتدائی بسیط حالت اور فطری سادہ زندگی بسر کرنے میں ان متمدن اور انسانیت کا بڑھ چڑھ کر دعوے کرنے والی قوموں سے بہت کچھ بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ براہِ راست قانون فطرت کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ مگر متمدن قومیں اپنے علم و عقل سے بہرہ ور ہونے کے گھمنڈ میں طرز زندگی کے میدان کو اپنے ہوائے نفسانی ہی کے گھوڑوں پر سوار ہو کر طے کرتی اور ظاہری وسائل استعمال کر کے احکام خلقت کی خلاف ورزی کے نقصانات سے بچنے کی کوشش میں مصروف رہتی ہیں مگر ان کی یہ روش فی الحقیقت انہیں ان قوانین قدرت کی زنجیروں میں سادہ زندگی کی نسبت کہیں زیادہ جکڑ دیتی ہے اور بجائے اس کے کہ وہ اصولِ فطرت کی زد سے بچ جائیں۔ اپنی نمائشی کارروائی کے ذریعہ سے دوسری طرح پر انہی کے ہدف بنتے ہیں۔ اس بارہ میں ان کی مثال سمجھانے کے واسطے صرف ان کی عورتوں کی حالت بطور نمونہ دکھانا کافی ہے۔ یورپ کے بعض خیال پرست اور وہمی انسان اس بات کے مدعی ہیں کہ ان کی عورتوں کو آزادی کا بہت بڑا حصہ نصیب ہے اور وہ بہ نسبت وحشی اقوام کی عورتوں کے اب اپنی فطری قوتوں سے

کو خیرہ کر دیا ہے تمہارا حسنِ ظن ہے کہ یہ روشنی ایک مینارۂ روشنی کی شعاعیں ہیں جو مشرقی نگاہوں میں منعکس ہو رہی ہیں۔ مگر یہ فصل خود تم کو بحرِ احمر کے اس پار دنیا کی سیر کرا دے گی۔ اور تم نہایت حیرت سے دیکھو گے کہ جس روشنی کو تم منارۂ روشنی کی جھلک سمجھ رہے تھے وہ فاسفورس کا ایک معمولی کرشمہ تھا۔

یورپ سے مشرق کے نئے تعلقات شاگردانہ اور عاجزانہ ہیں۔ استاد کی مافوق الفطرت عظمت دلوں میں گھر کر رہی ہے۔ اور عقیدت کا سیلاب حقائق کے ذخیرہ کو بہائے جانا چاہتا ہے غلط فہمی طوفان زوروں پر ہے۔ اور وہ وقت قریب ہے جب واقعات فرشتہ حسنِ ظن اور عقیدت کے دیو سے سخت ہزیمت اٹھائے گا۔ اس لئے ہماری کتاب کی یہ فصل تمہاری رہنمائی کرنا چاہتی ہے اور تم کو حقائق کی منزل تک پہنچا کر ان آفات سے محفوظ کر دینا چاہتی ہے جن کو تمہاری نظروں کی کوتاہی اور معلومات کی کمی نے تم پر مسلط کر دیا ہے۔

ہمارے اس بیان کی بہت سی محسوس دلیلیں مل سکتی ہیں کہ ہر ملک اور خطے میں انسانی طبیعت اصل حقیقت کو چھپانے کے لئے اور اپنی بداعمالیوں کو فریب اور نمائش کے پردوں میں پوشیدہ کرنے کے لئے سخت جدوجہد کر رہی ہے مگر اس کے ساتھ ہی نوامیسِ الٰہیہ اور قوانینِ قدرت کی عظیم الشان قوت بھی ذلیل اور شریر انسان کی اس بناوٹ اور ریاکاری کے پردے کو چاک کئے بغیر نہیں رہتی۔ انسان وقتی اور مصنوعی کامیابیوں کے غرور میں تمردانہ اور گستاخانہ رویہ اختیار کر لیتا ہے۔ اور سمجھ لیتا ہے کہ میں اپنی بناوٹی کوششوں میں کامیاب ہو جاؤں گا مگر احکامِ فطرت اس کی چالبازیوں کی قلعی کھول دیتے ہیں۔ اور تنبیہ اور سرزنش کی زبان سے بتلا دیتے ہیں کہ انسان کی شرارت قدرت کے مقابلے میں ایک منٹ کے لئے بھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ تم ہمارے اس بیان کو شک اور حیرت کی ملی ہوئی نگاہوں سے کیوں دیکھتے ہو؟ ہم صرف دعوے ہی نہیں کرتے اور اپنا خیال اور رائے ہی بیان نہیں کرتے بلکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ مظہر ہوتا ہے واقعات کا اور خلاصہ ہوتا ہے روزمرہ کے مسلسل اور متواتر مشاہدات کا۔ ہمارے بیان اور اقلیدس کی شکلیں دو متحد چیزیں ہیں جن کو دنیا مختلف ناموں سے یاد کرتی ہے ہمارا بیان اور ریاضی کی بدیہات عبارت میں ایک ہی مفہوم ہے جن کو زمانہ غلطی سے دو چیزیں قرار دیتا ہے ہمارے بیان کی صحت کا اقرار کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے زید کے اس قول کو تمردانہ

حکومت نے ان سے اپنے کارخانوں میں کام لینا شروع کر دیا ہے اور گو وہ اس ذریعہ سے کچھ ٹکے کما لیتی ہیں۔ لیکن اسی کے مقابلہ میں انہوں نے اپنے گھرانوں کی بنیاد کھود ڈالی اور ان کو برباد کر دیا ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ مرد اپنی عورت کی کمائی سے مستفید ہو رہا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ وہ اس کی کاروباری زندگی سے تنگ بھی آگیا ہے کیونکہ اب عورت اس کے کام چھینتی جاتی ہے۔ اور مرد کو بیکار رہنا رہی ہے" پھر آگے چل کر لکھتا ہے "اور یہاں یورپ میں کچھ عورتیں مذکورہ عورتوں سے بھی زیادہ ترقی یافتہ ہیں جو دفتروں کی کلرک، دکانوں کی منتظما اور سودا بیچنے والیاں مدارس میں تعلیم کی خدمت انجام دینے پر مامور اور ڈاکخانہ، تارگھر، فرانسیسی بنک اور کریڈٹ لیونیہ بنکوں میں ملازم ہیں۔ مگر ان سب باتوں کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ ملازمت نے ان عورتوں کو منزلی زندگی سے بہت دور کر دیا ہے۔ اور وہ گھرانے کی رونق کو مٹا رہی ہیں" یہ ایک ایسے شخص کا قول ہے۔ جو صاحب خانہ ہے۔ اور اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ جس قدر گھر والے کو اپنے گھر کے حالات کی خبر ہوتی ہے۔ دوسروں کو اتنا علم کہاں ہوگا۔ اس لئے ہمیں مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے اقوال کا کچھ وزن خیال نہ کریں۔ اور اس کے خلاف باتوں پر توجہ دیں۔

جناب مؤلف فرماتے ہیں :۔

امریکن عورت کی ترقی اور اس کی عظمت شان دکھانے کے لئے صرف اتنا بیان کر دینا کافی ہوگا کہ ۱۹۰۰ء کی مردم شماری سے ظاہر ہوا تھا کہ امریکہ میں محض ان عورتوں کی تعداد جو علمی اور زبان دانی خدمتیں انجام دیتی ہیں فیصدی ۷۵ صیغۂ تجارت میں کام کرنے والی عورتوں کی تعداد فی صدی ۶۳ اور دستکاری کے صیغہ میں فی صدی ۶۲ ہے۔

مگر اسی کے ساتھ مؤلف ممدوح نے اس کا کوئی بھی ذکر نہیں فرمایا کہ اس ترقی نے وہاں کی معاشرت پر کیا زہریلا اثر ڈالا ہے اور سوسائٹی کے وجود میں کیسے رخنے پیدا کر دیئے ہیں جن کو وہاں کی صحیح مردم شماری اور محکمہ اعداد و شمار کی رپورٹوں سے واقف آدمی بخوبی

زائد فائدہ اٹھا رہی ہیں یہ مدعیان باطل اپنے قول کی تائید میں بہت سے نقلی اور زبانی ثبوت بھی پیش کرتے ہیں۔ مگر دوسری طرف سے فطرتِ الٰہی ان کو جھوٹا ثابت کرتی ہے۔ چنانچہ کبھی اس عالم کے مشہور اور سربرآوردہ لوگوں کی زبانوں سے ان اشخاص کا دعوے غلط کر دیتی ہے۔ اور گاہے اپنے محسوس افعال کا اثر دکھا کر کہتی ہے کہ غافل اور وہم پرست انسان مجھ سے اڑ کر کہاں جا سکتا ہے آیئے اور دیکھئے کہ آج سیاہ رنگ وحشی اور جنگلی اقوام کے مرد اور عورت میں اتنا فرق نظر نہیں آتا۔ جس قدر مہذب اور آزادی کے دلدادہ ممالک کی تعلیم یافتہ قوموں کے مرد اور عورت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ پھر یہ کیا بات ہے؟ یہ ایک عملی علامت ہے جو ثابت کر رہی ہے کہ متمدن دنیا کی یہ نازک جنس (عورت) استمرار کے ساتھ اپنے قدرتی مرتبہ سے نیچے گرتی چلی جاتی ہے اور اس کا یہی ابسوط زبانِ حال سے چلا کر کہہ رہا ہے کہ تم عورتوں کی گرفتاری اور ماتحتی کے ظاہری پہلو کو چاہے جس قدر چمکا کر دکھاؤ یا اسے آزادی و خود مختاری بتاؤ۔ لیکن پھر بھی بہ نسبت اور وحشی قوموں کے مہذب ملکوں کی عورتیں نہایت سخت قید اور بند میں پھنسی ہوئی ہیں۔

جناب مؤلف[1] کا قول ہے "ان عورتوں کی تعداد جو دستاویزوں، عرضی دعووں اور ایسے ہی دوسرے کاغذوں کی تحریر کا کام کرتی ہیں یا جو گرجا کی خدمت ادا کرتی ہیں یا ریاضی داں، اخباروں کی مہتمم اور ایڈیٹر رسد خانوں میں کام کرنے والی اور پوسٹ آفس اور تار کے محکموں میں کام کر رہی ہیں۔ شمار نہیں کی جا سکتی اور عورتوں کو زیادہ تر سررشتۂ تعلیم کے عہدے ملتے ہیں۔ چنانچہ اس صیغہ میں تقریباً مدارس ابتدائی کی معلمہ عورتیں فیصدی پچانوے پائی جاتی ہیں"۔ فاضل مؤلف نے اپنے کلام کے آخر میں یہ جملہ (یا بعض مقامات پر ایسے ہی اور جملے بھی) محض آزادیٔ عورت کی خوبی دکھانے کی نیت سے بڑھائے ہیں۔ نہ کہ اقتصادی۔ علامہ ژول سیمان۔ "ریویو آف ریویوز" کی اٹھارہویں جلد میں لکھتا ہے " آج کل عورتیں پارچہ بافی کی مشینوں اور چھاپہ خانوں میں کام کرنے لگی ہیں۔

---

[1] مؤلف تحریر المرأۃ

امریکہ کی پریسیڈنٹی کے لئے امیدوار بنالیا۔ اور کثرت رائے سے وہ پریذیڈنٹ منتخب ہو گئی۔ اس کا کرسیٔ صدارت پر بیٹھنا ہی تھا کہ اس کی ساتھ والیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور وہ سب اس سے کنارہ کشی کر گئیں۔ حکومت نے یہ صورت دیکھی تو فوراً ہی اس قانون کو ہمیشہ کے لئے منسوخ کر دیا۔ کیونکہ اسے معلوم ہو گیا کہ عورتوں میں باہم مل کر کام کرنے کی صلاحیت ہرگز نہیں۔ ولایت متحدہ امریکہ کی تاریخ کا یہ ایک مشہور واقعہ ہے اور "ریویو آف ریویو" کی اٹھارہویں جلد میں اس کا تفصیلی ذکر موجود ہے :۔

علامہ پرڈن جب عورتوں کو ایسی ناواجب آزادی دلانے والوں کی بک بک سے تنگ آ گیا تو اس نے لکھا :۔

"اور علاوہ اس کے کہ میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا جس کا نام کچھ کل لوگوں نے عورت کو آزادی دکھلانا رکھ چھوڑا ہے۔ میری یہ خواہش بھی ہے کہ اگر ضروری اور حالت کا اقتضا ہو تو زمانہ سابقہ کی طرح میں عورت کو قید کرنے کا مشورہ دے دوں" (ملاحظہ ہو ابتکار النظام)

کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ زمانہ کی جنبش عورتوں کو جس خود مختاری کا طالب بنا رہی ہے اس کا منشا یہ نہیں کہ کنبوں کی بنیاد منہدم کر دے یا وہی ابتدائی زمانہ کی حالت کر دے۔ اس لئے عورت ہرگز ذلیل متصور نہ ہوگی۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جس نے تاریخ کو خود بخود پلٹ پلٹ کر آنے والی کہا ہے۔ وہ بالکل سچ کہتا ہے۔ کیونکہ اس وقت دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں عورتیں شادی کرنے سے باز رہتی ہیں۔ انکے خیال میں یہ رسم مٹا دینے کے قابل ہے۔ اور اس بارہ میں ان کی ضخیم تصنیفات شائع ہو رہی ہیں۔ ریویو آف ریویوز کی جلد ۱۸ میں آیا ہے کہ :۔

شادی بیاہ جس کو ہمارے باپ دادا ضروری تصور کرتے تھے آج دیکھا ہے کہ اسے ہر مقام پر صدمہ پہنچ رہا ہے۔ کیونکہ عورت نے جو عقلی ترقی حاصل کر لی ہے اور جس طرح اس کے حقوق روز بروز بڑھتے جاتے ہیں اور جس کے ساتھ ہی عورت کو مرد کے برابر حقوق حاصل کرنے اور اس کی دست درازیوں کو روکنے

جانتا ہے کہ اس متمدن ملک میں سوسائٹی کا کیا حال ہے چنانچہ ہم لگے ہاتھوں ناظرین کی توجہ اس ملاحظہ پر مائل کرنا چاہتے ہیں۔ جو "میڈم محمود افرینو" نے امریکن عورتوں کی علمی اور صنعتی ترقی پر اپنے رسالہ انیس الجلیس" مصدرہ ۳۰ دسمبر ۱۸۹۹ء میں درج کیا ہے۔ میڈم مذکورہ نے امریکن عورتوں کی کاروباری اور علمی ترقی کے شمار و اعداد دکھانے کے بعد لکھا ہے :۔

> مگر ان باتوں کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس قدر عورت علوم و ہنر میں زیادہ وسعت حاصل کرتی ہے۔ اسی قدر مرد اس کو طلاق دیتا جاتا ہے چنانچہ طلاق کی زیادہ صورتیں ولایات متحدہ امریکہ میں پائی جاتی ہیں۔ وہاں یہ معاملہ اس قدر حیرت انگیز حد تک ترقی کر گیا ہے۔ جس کی مثال ان (مصری وغیرہ) اسلامی ممالک یا اور مشرقی ملکوں میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔

میڈم ممدوحہ نے طلاق کے جس خطرہ کا ذکر کیا ہے سردست ہم اسے مناسب مقام پر ذکر کرنے کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔ مگر یہاں اس قدر ضرور کہیں گے کہ عورت کا علوم و آداب میں توغل کرنا اسے مرد کی نگاہوں میں قابلِ نفرت بنا رہا ہے۔ اور جو چیز اسے سب سے زیادہ بدنما اور حقیر بناتی ہے۔ وہ اس کا خارجی عمل میں مقابلہ پر آنا ہے۔

سنہ ۱۸۷۰ء میں امریکن عورتوں کی ایک شاندار کانفرنس زیرِ صدارت " میڈم مارٹین" قائم ہوئی۔ جس نے اپنے پولیٹکل حقوق کا مطالبہ کیا اور بہت سے ایسے پولیٹکل مردوں کو بھی زیر کر لیا جو قبل از تجربہ عورتوں کے سیاسی معاملات میں داخل ہونے کو مضرت رساں خیال کرتے تھے۔ اس کانفرنس کی ممبر عورتیں عام مجمعوں میں لیکچر دینے، اخبارات میں مضامین لکھنے اور ریاستوں کے رئیسوں کو پُر زور دلائل سے قائل کرنے میں مصروف ہوئیں۔ یہاں تک کہ آخر کار انہوں نے مجلس وزراء سے اس بات کا اقرار کرا لیا کہ وہ انہیں پولیٹکل حقوق عطا کریگی۔ پھر سنہ ۱۸۷۲ء کے آتے ہی میڈم مارٹین نے اپنے آپ کو جمہوریہ

متفق اللفظ ہو کر یہی کہیں گی کہ روزانہ اُجرت فی نفر بلیس سنٹیم ر۲۰/ر سے زائد نہیں جو اتنی جفاکشی اور ایڑی چوٹی کا پسینہ ایک کر دینے کے بعد انہیں نصیب ہوتی ہے پھر اتنی اُجرت ان متمدن ممالک میں ایک وقت پیٹ بھر کر کھانے کے واسطے بھی پوری نہیں پڑتی اور ان مزدو عورتوں کی حالت دیکھنے کے بعد اگر ہمیں یہ دیکھنا مقصود ہو کہ وہاں زنانہ ڈاکٹر اور انجینئر عورتیں کس قدر ہیں تو انکی تعداد فیصدی پانچ سے بھی کم نظر آئیگی اور یہ تعداد ان ممالک میں ہوگی جو مدنیت اور علم کے اعتبار سے آج ممالک دنیا میں سرتاج مانے جاتے ہیں۔

علم الانسان کا استاد "جیوم فریرو" "ریویو آف ریویوز" کی پہلی جلد میں جو ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی تھی، لکھتا ہے :۔

جس مدنیت کی شکل میں ہم اس وقت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس کی انتہائی پیچیدگیوں کے جلد حل ہونے کا خوف دلانے والی علامتیں یوں بہت زیادہ نظر آتی ہیں کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں کوئی نہ کوئی بحث اور تجسس کرنے والا شخص اُٹھ کر چند نئی نئی خطرناک باتوں سے واقفیت نہ حاصل کرتا ہو۔ اسلئے ہم کو بھی ایک طبیب کا فرض ادا کرنے اور اسی تشخیص کی مساعدت مرض کی ضرورت ہے جو ہمارے اس زمانے کے اطبار نے اس نئے سوشل (معاشی) مرض کے لئے تجویز کی ہے۔ کیونکہ رہبانیت کی یہ نئی شکل اگرچہ کسی دین و ملت کی سند پر قائم نہیں ہوتی ہے۔ تاہم ہمیں اس بات کی دھمکی ضرور دے رہی ہے کہ عنقریب وہ اس درجہ تک پہنچ جائیگی جس درجہ تک قرون وسطیٰ کے زمانوں میں دینی رہبانیت پہنچ گئی تھی۔ یہ بات تمام ملکوں کے مردوں اور عورتوں کے تجربہ میں آگئی ہے کہ بیاہ شادی کے بارے میں جو دشواریاں اور رکاوٹیں حائل ہو رہی ہیں۔ ان کا شمار روز بروز بڑھ رہا ہے اور بہت سے لاتعداد اقتصادی اسباب بھی اس کے راستہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہوتے ہیں۔ جن کی وجہ سے اکثر اپنے آپ میں انہیں دور کرنے یا مغلوب بنانے کی قوت نہ پاکر مجبوراً مجرد رہنے پر صبر کر لیتے ہیں۔ اس لئے ہمیں یہ کہنے کی گنجائش ملتی ہے

کی جیسی جدید خواہش پیدا ہوگئی ہے۔ یہ سب باتیں ہمارے ان خیالات کو صدمہ پہنچا رہی ہیں جن کو ہم وراثت کے طور پر شادی کے معاملہ میں رکھتے ہیں۔ پھر کسی قدر آگے چل کر لکھتا ہے۔

مردوں کا شادی سے انکار کرنا اور طلاق کو پسند کرتے جانا یہ دونوں امر روز بروز امریکہ اور تمام متمدن یورپین ملکوں میں بکثرت پھیل رہے ہیں اس لئے عورتوں کی یہ تمام سرکشی اور ہڑبونگ، ایک متعدی بیماری کی طرح معلوم ہوتی ہے جس پر آئین وقوانین وضع کرنے والے اصحاب کا نوٹس لینا ضروری ہے۔

افراد یا قوموں میں عورت کی اسیری کا بدنما منظر یہ ہوتا ہے کہ اس کے بسراوقات کا بار اسی کی گردن پر ڈال دیا جائے اور اس نازک جسم اور نرم و محبت بھرے دل کو زندگی کے میدان میں مردوں کے مقابلہ پر آنے اور ان کے دوش بدوش ہوکر کسب معاش کی سعی پر مجبور کیا جائے۔ اگر بدقسمتی سے تم کو کسی دن یورپ اور امریکہ کے ان عظیم الشان کارخانوں کی سیر کرنے کا موقع ملے جن کی وسعت اور عظمت و عمارت کو دیکھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے تو ان کے اندر سب سے پہلے جو چیز تمہارے پیش نگاہ ہوگی وہ اس نازک و لطیف جنس (عورت) کی ایک بڑی جماعت ہوگی جو سخت سے سخت جسمانی ریاضتوں اور جفاکشی کے کاموں میں مصروف نظر آئے گی کچھ عورتیں بھڑکتے ہوئے انجن کے چولہوں کے سامنے ان میں کوئلہ جھونک رہی ہوں گی جن کے دلفریب چہرے آگ کی گرمی اور کوئلہ اور دھوئیں کی رنگت جم جانے سے سیاہ پڑ گئے ہوں گے اور ایسی ناگوار و تلخ زندگی کی آفتوں نے ان کی پیشانیوں پر یہ جملہ لکھ دیا گیا ہوگا جس کا مفہوم تمہارے صفحۂ خیال سے ابدالآباد تک بھی محو نہ ہوگا کہ "مرد" "عورت" کو جس طرح گرفتار بلا کر سکتا ہے یہ اس کی انتہائی حد ہے۔ پھر اگر تم ان آفتوں کی ماری عورتوں سے یہ بات دریافت کرنے کی تکلیف گوارا کروگے کہ آخر دن بھر اس دنیاوی جہنم میں کام کرنے سے ان کو اجرت کیا ملتی ہے تو سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں

پر اس کا کھوٹا کھرا پر کھ کر اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ تا کہ غلطی کھانے سے پہلے اور آفت میں مبتلا ہونے سے قبل ہی اعلیٰ وجہ البصیرت کام کر سکیں۔ ورنہ بعد میں پچھتانے سے کیا حاصل ہو گا۔ اور اگر ہمیں خود اتنی عقل نہیں کہ تمدن کے ان بڑے بڑے مسائل کو دُور اندیشی کے معیار پر آزما سکیں جن کو قوم کے مستقبل سے ارتباط ہوتا ہے تو آسان بات یہ ہے کہ اسی مدنیت کے نامور علماء کو اپنا رہنما بنائیں اور ان کے روزمرہ کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

عورتوں کی آزادی دلانے کا سب سے بڑا حامی اور پُرجوش ممبر فیلسوف نوریہ لکھتا ہے۔

"آج عورت کی حالت کیا ہے؛ وہ ہر طرح محرومی اور مصیبت کی دنیا میں زندگی بسر کرتی ہے یہانتک کہ دستکاری کے عالم میں بھی اسے پوری گنجائش اپنے کسب معاش کی نہیں ملتی کیونکہ مرد نے اس میدان کے بھی ہر ایک گوشے پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہانتک کہ سلائی اور کشیدہ کاری کی صنعت جو محض عورتوں کو زیبا تھی وہ بھی مرد کے قابو میں ہے اور عورت کو دیکھیئے تو وہ کش مکش کی زندگی میں مبتلا ہو کر سخت سے سخت محنت کے کاموں میں مصروف ہوتی ہے جو اس کی قوت سے باہر ہیں۔ پھر اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ بھی نہ ہو تو پھر آخر مال و دولت سے محروم عورتوں کے زندگی بسر کرنے کے مصادر اور کیا ہیں؛ آیا محض "تکلا" یا اگر وہ حسین ہوں تو انکا حُسن و جمال؛ بے شک غریب عورتوں کے بسر اوقات کا واحد ذریعہ کھلے بندوں یا چھپے ڈھکے صرف ہم بستری کے کام آنا ہے! اور یہی ایک ایسی تدبیر ہے جس کے بارے میں اہل علم آج تک عورتوں سے جھگڑ کر سر بر ہوتے ہیں۔ اسی بدقسمتی نے عورتوں کو اس طرح کے تمدن اور شوہر کی غلامی میں گرفتار کیا ہے جس نے نجات پانے اور مقابلہ کرنے کے بارے میں وہ اب تک کچھ بھی غور نہیں کر سکیں۔ الغرض آیا عورتوں کی اس قسمت میں ہم کو کچھ بھی انصاف کا شائبہ نظر آ سکتا ہے؟"

اب کوئی بتائے کہ بچاری عورت اتنی سخت مزاحمتوں کے جھرمٹ سے کیونکر نکل سکے اور نکل کر کہاں جائے! اگر کہا جاتا ہے کہ جس طرح انسان کی مادی حالت ہر زمانہ میں ترقی کرتی رہتی ہے اسی

کہ عورت و مرد دونوں جنسوں کی ایک عظیم الشان تعداد کا بغیر شادی بیاہ کے زندگی بسر کرنے سے موجودہ طرزِ معاشرت کی حالت پر سخت ہولناک اثر ڈالنا لازم آتا ہے۔ یعنی زندگی کی کاروباری شرطوں میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے اور اس سے بھی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بن بیاہی کنواری رہنے والی عورتوں سے بہ نسبت بن بیاہے مردوں کے بڑے اور اہم آثار ظاہر ہونے لازم ہیں کیونکہ مجرد کا مجرد رہنا اس میں فی الواقع اور نفس الامر چند ایسی نفسیاتی حرکتیں پیدا پیدا کر دیتا ہے۔ جو اس کے لئے مخصوص ہیں تاہم یہ حالت اس کی شخصی مصیبت اور بناوٹ کو بالکل بدل نہیں دیتی۔ اس لئے مجرّد رہنا مرد پر "مطلقاً" پاکدامنی کو واجب نہیں بناتا بلکہ بصورت مجبوری وہ بدچلن عورتوں سے خلا ملا پیدا کر سکتا ہے۔ اس اعتبار سے مجرد کے اس فزیالوجی وظیفہ کو بالکل مٹا نہیں سکتا۔ مگر عورت کی حالت اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ موجودہ سوسائٹی کی شرطیں بن بیاہی رہنے کی حالت میں بھی اسکی پاکدامنی کی مقتضی ہیں اور بیباک دامنی چاہتی ہے کہ عورت کے ماں بننے کا وظیفہ سرے سے حذف کر دیا جائے جس کے واسطے جسمانی اور روحانی طور پر عورت پیدا کی گئی ہے اور اس میں شک نہیں کہ عورت کی یہ حالت اس کی شخصیت کو بہت جلد خراب کر دیگی۔ اور بلا شبہ ایسی عورتوں کی ایک بڑی تعداد "سوسائٹی" کی ہیئت پر نہایت ہولناک اثر ڈالیگی۔

اس مشہور عالم علم تمدن کا یہ قول اور ایسے ہی بہت سے اقوال ہمارے پیش نظر ہیں جن سے ہمیں صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ موجودہ یورپین مدنیت کی شکل میں بہت سی ایسی خوفناک علامتیں دکھائی دیتی ہیں جو اس بات کا پتہ دے رہی ہیں کہ اس کے ڈھانچ کی پیچیدگیاں بہت جلد ظاہر ہونے والی ہیں اور خاص کر عورتوں کی طرف سے اس نے جو ظاہر فریب ڈھچر بنا رکھا ہے۔ اس کا عقدہ سب سے پہلے کھلے گا۔ اسلئے اگر ہمیں کسی امر میں یورپ کی تقلید کرنا ضروری ہے جس سے مضر نہیں تو کم از کم ہمیں پہلے اس طریقہ کو جانچ لینا چاہیئے اور

بڑی خوبی اور بہتری کو ہاتھ سے کھو بیٹھیں گی۔ اور ہم بھی تمام باتوں کو گنوا دیں گے۔ بلاشبہ فطرت نے اپنی تمام مصنوعات کو کامل و اکمل بنایا ہے ہمیں انکی حالت پر غائر نگاہ ڈالنے اور صرف انکے عمدہ بنانیکی ضرورت ہے۔ جسکے ساتھ ہی جو امور ہم کو قوانین قدرت سے دور ڈالنے والے یا اس کی مثل ہوں ان سے بچنے کی بھی حاجت ہے بعض فلاسفر کہتے ہیں کہ زندگی مصائب میں مبتلا ہونیکا نام ہے۔ مگر شاید انکے قول کا موجب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تمام زندگی میں کبھی محنت کا ذائقہ نہیں چکھا لیکن میں کہتا ہوں یہ بیشک، زندگی بڑے لطف اور خوبی کی چیز ہے مگر اس شرط سے کہ عورت و مرد میں سے ہر ایک اس محل اور موقع کو اچھی طرح جان جائے۔ جیسے خداوندپاک نے ان میں سے ہر ایک کیواسطے خاص بنایا ہے سنہ ۱۸۹۹ء کے رسالہ "ریویو آف ریویوز" میں علامہ جیورم فریرو لکھتا ہے:۔

"یورپ میں بہت سی ایسی عورتیں پائی جاتی ہیں جو ہر طرح مردوں کے ایسے کام کرنے سے شادی بیاہ کا جھگڑا بالکل چھوڑے بیٹھی ہیں۔ ان عورتوں کو عورت مرد کے سوا ایک تیسری جنس کا نمونہ کہنا چاہیئے کیونکہ وہ مرد سے ترکیب جسمانی اور طبیعت میں یکساں نہ ہونے کے باعث مرد نہیں کہی جاسکتیں اور عورت کے طبعی فرائض ادا نہ کرنے یا انکے ایسے کام نہ کرنے سے عورت بھی نہیں رہیں۔

اس نامور استاد نے ایسی عورتوں کی حالت پر غائر نظر ڈال کر معلوم کیا ہے کہ انکی بناوٹی زندگی بسر کرنیکی روش اور انکا اپنے اس طبعی وظیفہ کے ادا کرنے سے باز آجانا جسکے لئے وہ جسمانی اور روحانی دونوں اعتباروں سے پیدا کی گئی تھیں۔ انکے احساسات کو دوسری عورتوں کے احساسات کی نسبت متغیر کر چکا ہے اور انکی حالت مالیخولیا کے مرض میں مبتلا ہونیوالے مریضوں کی سی ہوگئی ہے گویا انسانی فطرت اپنی تاثیر کی زبان حال سے ان پر یہ حجت قائم کرتی ہے کہ اگر تم نے میرے حقوق سے چشم پوشی کی ہے تو میں نے بھی تم کو اس کی کافی سزا دی ہے۔ پھر پروفیسر ممدوح یوں لکھتا ہے :۔

"علم تمدن اور عصر انکے علماء نے اس منافی قانون فطرت امر کے انجام بد کو محسوس کرنا شروع کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ عورتیں مردوں کی مزاحمت کرنے کی وجہ سے سوسائٹی پر ایک بار گراں نظر آتی ہیں۔ ان کو اگر

انداز سے اسکی اخلاقی کیفیت اور نرم دلی بھی بڑھتی رہتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ بیسویں صدی میں اس نازک جنس (عورت) کی قابلِ رحم حالت پر اشکِ حسرت نہ بہائے جائیں۔ اور کیوں اس پر ترس نہ کھایا جائے! کیا کوئی رحم دل آدمی یا جس کو ذرا بھی مہربانی کا احساس ہو اس بات کو قبول کر سکتا ہے کہ عورت روحانی اور جسمانی حیثیت سے جس وظیفہ طبعی کے ادا کرنے کو پیدا کی گئی ہے اسے چھوڑ کر اس کسبِ معاش کی خونی جنگ میں شریک ہو۔ یہ صرف مرد کا حصہ ہونا چاہیئے لیکن عورت ان مزاحمتوں کی کشمکش سے نکل کر کہاں جائے جو محض مادی حالتوں کی حد تک ہی پہنچکر نہیں رکتیں بلکہ باطنی حالتوں تک بھی تجاوز کر جاتی ہیں، مشہور اقتصادی فیلسوف "پرودھن" اپنی کتاب "انکار النظام" میں لکھتا ہے۔

نوعِ انسانی کبھی اخلاقی، سیاسی اور علمی فکر میں عورت کی ہرگز زیرِ بار احسان نہیں۔ وہ علم کی سڑک پر بغیر عورت کی مساعدت کے چلی ہے اور اس نے خود ہی حیرت انگیز عجائبات ظاہر کئے ہیں۔ علامہ پرودھن یوں لکھتے ہیں۔

"اخلاقی دنیا میں عورت نے مرد کے ساتھ جو بازی کھیلی تھی وہ بجنسہٖ اس بازی کی طرح تھی جیسی آج دماغی طاقت سے چلنے والے کارخانوں میں کھیلنا چاہتی ہے اس لئے نہ اسے پہلے کچھ معتدبہ نفع حاصل ہوا اور نہ اب کوئی فائدہ ہونے کی توقع ہے اور کارخانوں میں مرد کے بالمقابل عورت کی ہستی صرف بعض چھوٹے چھوٹے آلات کی طرح پائی جاتی ہے"۔

نامور علامہ ژول سیمان نے "ریویو آف ریویوز" میں فرانس کے علامہ لوزو دیہ" کی کتاب پر ریویو کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"عورت کو عورت رہنا چاہیئے" یہ "میسیلولوزو دیہ" کا فقرہ ہے۔ بیشک عورت کو عورت ہی رہنا چاہیئے کیونکہ وہ اسی صفت کے ذریعہ سے اپنی سعادت کو پا سکتی ہے اور اسے اپنے سوا دوسرے شخص کو بھی بخش سکتی ہے اس لئے ہمیں عورتوں کی حالت سنوارنی چاہیئے نہ یہ کہ اسے بالکل بدل دیں اور مناسب ہے کہ عورتوں کو مرد بنا دینے سے پرہیز کریں کیونکہ اس کی وجہ سے وہ بہت

اور تیز صرف نباتات چبانے کے لائق ہیں۔ گوشت خور حیوانوں کے دانت نوکدار اور انکی داڑھیں مضبوط و تیز بنائی ہیں تاکہ وہ اپنی غذا کو اچھی طرح نوچ کر چبا سکیں۔ غرضیکہ اسی طرح تمام مخلوقات کے اجزا اور اعضا میں ایک خاص ترتیب اور مناسب استعداد موجود ہے۔ جو انکے روزمرہ کی ضروریاتِ زندگی میں کارآمد ہو سکتی ہے۔ تاریخ طبیعی کے مطالعہ کرنے والوں کے لیے یہی مشاہدہ اس بات پر دلیل قائم کرنے کا بہت موزوں ذریعہ ہے کہ عورتوں کا مردوں کے کاروبار میں مصروف ہونا انکے خلاف فطرت عمل کرنے کے ہم معنی اور اپنے دائرہ طبیعی سے نکل جانے کے مترادف ہے پھر اگر اس خلاف ورزی پر ان کو مجبور بھی بنایا جائے تو یہ بات اس امر کا واضح نشان ہوگی کہ سنگدل اور بیرحم مرد نے اپنے کمزور اور نرم دل ساتھی کو کس طرح آفتوں میں مبتلا کیا ہے اور اسے اس خارجی زندگی کے خطرناک میدان میں بھی بے رحمی کے ساتھ دھکی دے کر پسپا کر دیا ہے۔

عورت کی خلقت اور اسکے سراپا کی بناوٹ اس بات پر صاف دلالت کرتی ہے کہ اسے مرد کی دنیا کے علاوہ ایک اور عالم میں زندگی بسر کرنا واجب ہے۔ ورنہ اسکی مثال وہی ہوگی جیسا کہ پروفیسر "جیورم فریرو" لکھتا ہے یعنی وہ مرد اور عورت کے مابین ایک تیسری جنس کا نمونہ بن جائیگی جس کی امتیازی علامتیں ترش روئی غمگینی اور دائمی پریشانی اور مالیخولیا ہوں گی۔

عورت کے احساسات پر نظر ڈالنے سے وہ مجسم رحمت و شفقت نظر آئے گی۔ اس کو نرم دلی اور محبت کا نمونہ پایا جائیگا۔ پھر عورت کے طبیعی میلان کو دیکھا جائے تو وہ ایثارِ نفس پر آمادہ، دوسروں کی فائدہ رسانی میں کوشاں، فطرتاً نیکی اور احسان کرنے کی جانب راغب پائی جاتی گی۔ یہ سب صفتیں خارجی دنیا کی مصیبتوں کے بالکل منافی ہیں۔ کیونکہ خارجی زندگی باہمی کش مکش ایک دوسرے پر تعدی اور رکاوٹ اور دھینگا مشتی کے لئے تیار رہنے سے بسر ہوتی ہے اس زندگی کا تمام تر دارومدار سنگدلی پر ہے اس لئے نرم دلی اور رحیم المزاج عورت اس جھنمی لڑائی میں کیونکر

کوئی کام نہیں ملتا جسے کرکے زندگی بسر کرسکیں اور اگر اسی طریقہ پر کچھ عرصہ تک یہ حالت قائم رہی تو اس سے تمدن اور معاشرت میں عظیم الشان خلل پیدا ہونا یقینی ہے۔

کیا ان سب باتوں کو سن کر اور معلوم کر لینے کے بعد بھی ہمیں یہ مناسب ہے کہ عورتوں کو اپنے تئیں اس خارجی زندگی کے میدان کارزار میں شامل کرنے کی صلاح دیں؟ کیا جب ہم پر یہ ثابت ہو گیا کہ یہ معاملہ ایک معاشرت کی کمر توڑنے والی بیماری ہے تو اس کے بعد بھی ہم کو اسی کے پھیلانے اور بڑھانے کی کوشش کرنا لازم ہے؟ اہل یورپ کے یہاں ہزاروں کارخانے اور صدہا پیشے دولت کمانے کے موجود ہیں۔ مگر باایں ہمہ وہ یہی کوشش کررہے ہیں کہ مزدوری کا میدان صرف مردوں ہی کے ہاتھ میں رہے اور عورتوں کو اس میں قدم رکھنے سے روکا جائے تو پھر کس قدر افسوس کی جگہ ہے کہ ہم باوجود اپنے عملی ذرائع کی کمی کے اس دقت کو بڑھانے کی سعی کریں؟ کیا ان اختیارات کے بعد بھی ہمیں مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ شریعت اسلامی کے مکمل نظام کو بدلنے کی لایعنی کوشش نہ کریں جو نظام فطرت انسانی کا ترجمہ اور قوانین فطرت کی زبان حال ہے؟ اور کیا اس بات کو دیکھ کر یورپ کی ایک جان فرسا بیماری ہم کو اس پاکیزہ شریعت کے احکام سے دور اور اس کی ممانعتوں سے نزدیک بنانیوالی ہے ہمیں مناسب نہیں کہ حکمت کی راہ سے ایسی مہلک بیماری کے پیدا ہونیوالے اسباب پر غور کریں اور ان سے بچتے رہیں۔ چہ جائیکہ اسی میں مبتلا ہونے کو پسند کریں۔

قدرتی طور پر عورت بیرونی کاموں میں دخل دے سکتی ہے؟

خداوند کریم نے مخلوقات کو نہایت مکمل نظام اور عمدہ اصول پر خلق فرمایا۔ ہر ایک مخلوق کو اسکی ضرورت کی تمام چیزیں عطا کیں۔ جیسے اعضاء اسکے واسطے ہونے چاہئیں ویسے ہی اعضاء عنایت کئے ہر ایک عضو میں انکے حسب حال اور بقدر ضرورت اپنی خواہش پوری کرسکنے کی قابلیت ودیعت فرمائی۔ مثال کے طور پر بے زبان جانوروں کے دانتوں کے متعلق غور کرو تم کو معلوم ہو جائیگا۔ انکے باہمی باہمی شکل و ترتیب میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ گھاس پھوس کھانے والے جانوروں کے دانت سادے

جب کہیں ان کو یہ مرتبہ حاصل ہو سکا۔ مگر اسی کے بالمقابل مفلس اور بھوکوں مرنے والی عورتوں کی تعداد پر نظر ڈالی جائے تو وہ لاکھوں سے بڑھ کر کروڑوں تک شمار کی جا سکیں گی اور پھر اسی کے ساتھ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ آیا وہ زنانہ ڈاکٹر یا انجینئر عورتیں اصولِ فطرت اور قوانینِ قدرت کے سامنے بھی سرِ تسلیم خم کرتی ہیں یا نہیں؟ غالباً اس کا جواب زیادہ تر نفی میں ملے گا۔ اس وقت ہم دریافت کریں گے کہ کیوں صاحب! کیا ان عورتوں کو مناسب نہ تھا کہ وہ بجائے خود ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے اگر چند عالی حوصلہ اور روشن خیال مرد ڈاکٹروں اور انجینئروں کی ماں بنتیں تو یہ صورت نوعِ انسانی کے حق میں زیادہ مفید ہوتی یا ان کی موجودہ حالت زیادہ نفع رساں ہے؟

افسوس! جن نیک دل بیبیوں کا قدرتی فرض انسانی نسل کی افزائش اور قوم کی فلاح دینے والے اصولوں پر بچوں کی تربیت کرنا مان لیا گیا ہے۔ وہ ماں کے نام سے کانوں پر ہاتھ رکھتی جائیں۔ یہ کیا غضب ہے؟ بے شک ایسی صورتیں قوانینِ فطرت سے سرکشی کرنے میں شمار ہوں گی۔ اور ان کو نوعِ انسانی کے کمال اور اس کی ترقی کا موجب قرار دینا سخت غلطی ہوگی۔ فاضل مؤلف فرماتے ہیں:۔

"مگر اس کا کیا علاج ہے کہ نظامِ عالم کے اقتضا سے بہت سی عورتوں کو تنہا اور بے یار و مددگار زندگی بسر کرنے سے سامنا کرنا پڑتا ہے اور انکو اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ اپنے بسر اوقات اور اپنے بچوں کی پرورش کے لئے کچھ محنت مزدوری کر کے چار پیسے پیدا کریں"۔

ہم کہتے ہیں کہ ہمیں ایسی عورتوں کی حالتِ زار پر توجہ کر کے دیکھنا چاہیئے کہ ان کو تنگدستی اور پریشان روزگاری میں مبتلا ہو کر قوانینِ فطرت کی خلاف ورزی کرنے سے محفوظ رکھنے کی کیا تدبیر کی جا سکتی ہے۔ پھر مناسب طریقوں سے انکے گزر بسر کا سامان کر دینا چاہیئے۔ جو ہمدردئ انسانی کا مقتضی ہے۔ نہ یہ کہ الٹے انہیں بلا میں پھنسانے کا سامان کریں۔ اور اس کو تمدن کی خوشنما صورت

شریک ہو سکتی ہے؟ اس کا رفیقِ دل ان آفت خیز سنگدلی کے آثار کو کس طرح دیکھ سکتا ہے جن کو مشاہدہ کر کے بڑے بڑے بہادروں کا زہرہ آب ہو جائے۔ یہی سبب ہے کہ جن ملکوں میں عورت کو مردوں کے ساتھ کاروبار میں شریک ہونے کی عام اجازت ہے۔ وہاں عورت کی حالت نہایت قابلِ رحم اور اس کی بسر اوقات کا دائرہ بے حد تنگ ہے۔ چنانچہ خود فلاسفر "فوریہ" جو عورت کا بہت بڑا حامی ہے۔ اس کے متعلق یوں لکھتا ہے کہ:۔

"عورتیں کاروباری دنیا میں پھنس کر محنت کا ناقابلِ برداشت بوجھ اٹھاتی اور فاقہ و تنگدستی میں ایام گزارتی رہتی ہیں۔"

یا جس طرح "علامہ پرودھن" ان کو کارخانوں میں بعض چھوٹے اور کم استعمال میں آنیوالے آلات سے مشابہ بیان کرتا ہے ۱۸۹۷ء کے ریویو آف ریویوز میں اسی فلاسفر کا یہ قول بھی درج کیا گیا ہے کہ بہت سی عورتیں نہایت محنت کے ساتھ کام میں مصروف رہنے کے بعد بھی ایک دن میں صرف بیس سنیٹم مزدوری حاصل کرتی ہیں جو انکے ایک وقت کے ادنیٰ درجہ کے کھانے کو بھی پوری طرح کافی نہیں ہوتی۔ یہ سب باتیں کیوں ہیں؟ اسلئے کہ عورت کسی طرح اور کبھی مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جہاں اس نے کسی مفید کام میں ہاتھ ڈالا کہ معاً مرد بھی اس میدان میں جا اترا اور عورت کو دھکے دے دیکر پیچھے ڈالتا ہوا اس سے آگے بڑھ گیا۔ چونکہ مرد میں جسمانی قوت کے ساتھ جرأت اور محنت برداشت کرنے کی بھی طاقت ہے۔ اس لئے وہ ہر ایک کام میں عورت پر یقینی فوقیت حاصل کر لیتا ہے۔ حتیٰ کہ سلائی اور کنگھی چوٹی کے کاموں میں بھی مرد نے عورت کی روزی چھین لی ہے۔ آزادیٔ نسواں کے حامی کہا کرتے ہیں کہ پھر یہ لیڈی ڈاکٹر اور انجینئر عورتیں یا بڑی بڑی ذی علم معلمہ اور اہلِ قلم عورتیں جن کے تذکرے روزمرہ پڑھے جاتے ہیں کیا یہ عورتیں نہیں۔ مگر ہمارے پاس اس بات کا معقول جواب یہ ہے کہ ایسی خوش قسمت عورتیں اول تو کم ہیں اور جو ہیں ان پر مالدار ماں باپ نے انہیں کے برابر تول کر سونا خرچ کیا ہے

اس بے چاری پر کیا گزرے گی ؛ یا وہ کسی قانون کی تنسیخ اور کسی دفعۂ قانون کی تنسیخ اور کسی دفعۂ قانون کی ترمیم و تغیر پر بحث کرنے کو کھڑی ہوئی تو کوئی خوش بیان مقرر اس کے معاوضہ کو اٹھا۔ جس نے سینکڑوں قومی دلائل سے اس عورت کو ساکت بنا دیا۔ تو بتایئے کہ اس انفعال اور شرمندگی سے اس پر کیا حالت طاری ہو گی جس سے اگر وہ حاملہ ہے تو اس کے حمل میں، اور دودھ پلاتی ہے تو اس کے دودھ میں فساد پیدا کرنے کا سخت اندیشہ رہتا ہے۔ افسوس ہے کہ خدا نے عورت کو سکون و آرام کی زندگی بسر کرنے کے واسطے بنایا۔ مگر ہم ناموسِ الہٰی اور قوانین فطرت پر تعدی کر کے اُسے جنگ و جدل اور کش مکش زندگی کے میدان میں کھینچ لانے کی کوشش کریں۔ اور وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ کے فرمان کو اپنے حسب حال بنالیں تو کیوں ؛

اچھا ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی مانے لیتے ہیں کہ ساری دنیا نے ایک ساتھ عورت کو مردوں کے کام سنبھالنے کا مستحق قرار دینے میں نظام عالم کے تغیر کی کوئی پروا نہیں کی اور اسے بالکل اس بات کا مجاز بنا دیا کہ وہ تمام مردوں کے کاروبار اپنی گردن پر اٹھائے تو کیا دینِ فطری (اسلام) کے پابندوں کے لئے بھی یہ بات مناسب ہے کہ وہ اس درجہ تک احکامِ فطرت کا معارضہ کرنے میں غیر اقوام کی تقلید کریں؟ کیا اگر ہم مذہب اور طبیعت و فطرت کے بتائے ہوئے طریقہ پر عورتوں کی اصلاحِ حال کا قانون مقرر کریں تو معزز مسلمان خاتون کے دل پر اس کا کوئی ناگوار بوجھ پڑے گا؟ افسوس! اب گویا ہم پر امید و فلاح کے دروازے ہر طرف سے بالکل بند ہو چکے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم مجبور ہو کر دوسری قوموں کی مہلک بیماریوں میں بھی ان کی تقلید کرنے پر مستعد ہو گئے ہیں۔

قرار دے کر یہ مرض اور زیادہ بڑھائیں۔

خدارا ذرا دیر کے لئے ان عورتوں کی حالت پر غور اور مہربانی کی ایک نظر ڈالو جنہیں بیاہ شادی سے نفرت اور نقلی مرد بننے کا شوق اس بات پر مجبور کر رہا ہے۔ کہ وہ دوپہر کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں اور تپتی ہوئی ریت پر اپنا سٹ پالنے کے لئے محنت سے سخت کام کیا کریں اور پھر بھی اپنی جان کو موت کے پنگل سے بچانے کے واسطے صرف اتنی ہی اجرت کما سکیں جو ان کی تنگی ترشی سے دقت گزاری کا فائدہ دے۔ کونسا دل ایسا ہوگا جو مستورات کی نازک جنس کو ایسی زنجیرہ حالت میں دیکھنا پسند کرے اور اسے بیسویں صدی کے زرّیں تمدن کا نظر فریب پہلو بتائے؟

ہم بیان کر چکے ہیں کہ عورت کی ہر ایک چیز اور حیثیت اس بات کو بتاتی ہے کہ وہ مردوں کے کاروبار سے الگ تھلگ رہنے اور کسی دوسرے طبیعی وظیفہ کو ادا کرنے کے واسطے پیدا کی گئی ہے۔ دیکھو جس وقت عورت حاملہ ہوتی ہے۔ تو وہ ایسے دور میں ہوتی ہے جبکہ اسے اپنی ذات کی خبر گیری بہت ہوشیاری سے کرنی واجب ہے۔ ان دنوں وہ مختلف منظروں اور خاص کر خوف یا رنج دلانے والے منظروں کو دیکھ کر نہایت جلد متاثر ہو جایا کرتی ہے اور اطبائے نے اس بارے میں ضخیم ضخیم کتابیں تصنیف کی ہیں۔ پھر وہ دور ولادت میں منتقل ہوتے ہی واقعی بیمار پڑ جاتی ہے جس میں وہ مختلف شکلوں کے بخاروں کا نشانہ بنتی ہے اور جیسی استعداد یا جیسا مزاج ہوتا ہے۔ اسی کے کم بیش تکلیف برداشت کرتی ہے۔ پھر وہ بچّہ کو دودھ پلاتی ہے۔ اور یہ ایسا زمانہ ہے کہ اس میں بچّہ کی جان اور اس نازک وجود کی زندگی کا دار و مدار ماں کے دودھ کی خوبی اور خرابی پر رہتا ہے۔ تو اب بتائیے کہ ایک سیاسی عورت جو پارلیمنٹ کی ممبر ہے۔ حاملہ ہونے کی حالت میں شریک جلسہ ہوئی۔ اور جیسا کہ اکثر پارلیمنٹ کے ممبر کسی مباحثہ کے مجادلہ کی صورت اختیار کر لینے پر آپس میں جوتی پیزار لات گھونسے چلانے لگتے ہیں۔ وہی کیفیت رونما ہوگئی تو

روز آگے ترقی کر رہی ہے پسپا نہیں ہو رہی ہے اور یہ ترقی اسی وقت ممکن ہے جب کہ انسان کے سارے ارادے اور حالات قوانین فطرت کے مطابق ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ کوئی قوم کامل نہیں بن سکتی تاوقتیکہ اس میں کاموں کی تقسیم دو کارکن قوتوں کے حسب حال ہونی چاہیئے۔ یعنی استعداد اور خلقی فرائض۔ مثلاً اگر ہم سنیں کہ فلاں قوم کی عورتیں خانہ داری کی زندگی کے دائرے سے نکل کر مردوں کے ساتھ سخت محنت کے کاموں میں شریک ہوتی ہیں تو اگر ہماری آنکھیں بینا اور ہمارے دل صحیح ہوں۔ ہمیں اس بات کو ہرگز ایسا کمال تصور نہ کرنا چاہیئے جس کے حاصل کرنے کے لئے ہم پر اس قوم کی پیروی واجب ہے بلکہ بجائے اس کے ہمارا یقینی فرض یہ ہونا چاہیئے کہ ہم اس کو موجب ضرر تصور کر کے اس سے دور رہنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ یہ امر صحیح کمال کے منافی ہے۔ خواہ وہ قوم بہ نسبت ہمارے تمدن کے بعض نمائشی حالتوں میں فوقیت کیوں نہ رکھتی ہو۔ دنیا میں بہت سے تمدن قائم ہوئے۔ کچھ زمانہ تک ان کو فروغ ہوا۔ روئے زمین ان کے جادوؤں سے روشن ہو گئی۔ پھر افراد قوم کی خلاف ورزی اور احکام فطرت کی مخالفت سے آخر کار یوں مٹ گئے کہ گویا وجود ہی میں نہ آئے تھے یہ ایک ایسا قضیہ ہے کہ خود "المرأة الجدیدة" کے مصنف بھی اس بارہ میں ہم سے مخالفت نہیں رکھتے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

"ہم اس بارہ میں بالکل اختلاف نہیں کرتے کہ فطرت نے عورت کو خانہ داری کے کاموں اور اپنی اولاد کی پرورش کے لئے پیدا کیا ہے اور وہ حمل، ولادت اور رضاع کے ایسے سخت طبیعی عارضوں میں مبتلا ہوتے رہنے کی وجہ سے ان کاموں کو نہیں کر سکتی جو مرد کر سکتے ہیں۔ بلکہ ہم اس مقام پر یہ بھی تصریح کئے دیتے ہیں۔ کہ سوسائٹی کی جو بہترین خدمت عورت ادا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ عورت بیاہی جائے۔ بچے جنے اور اپنی اولاد کی تربیت کرے اور یہ ایسا بدیہی قضیہ ہے جس کے ثابت کرنے کے واسطے کسی طویل بحث کی

عورتوں کا مردوں کے کاموں میں دخل دینا کسی ملک میں ہمیشہ ممکن رہے؟

خالقِ عالم ایک بات میں اس کا فیصلہ کر چکا ہے کہ :۔

وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ خدا کی حدبندیوں سے جس نے تجاوز کیا خود اپنے نفس پر ظلم کیا ۔ جو لوگ عالم کون و فساد کے انقلاب کا علم رکھتے ہیں۔ ان کا مقولہ ہے کہ طبیعت میں ایک ایسا خاص نظام موجود ہے کہ جہاں انسان اس کے حدود سے متجاوز ہونے یا اس کے توڑنے کا ارادہ کرتا ہے خود طبیعت ہی اسے فوراً روک دینے والی باتیں فراہم کر دیتی ہے یہاں تک کہ یا انسان اس قصد سے باز آجاتا ہے یا اپنے کئے کی سزا پاتا ہے ۔ جس وقت سے انسان کا وجود ہوا ہے ۔ اس دن سے آج تک اگر اس کی زندگی پر غور کیا جائے تو اس کو ایک عظیم الشان تعلیم گاہ کی طرح پایا جائے گا ۔ جس میں ہر وقت انسان کو راہ راست کے تلاش کی خواہش ہونے کی صورت میں تعلیم پانے کا موقع حاصل ہے ۔

ہم اگلی بحث میں یہ مسئلہ بخوبی ثابت کر چکے ہیں کہ عورتوں کا مردوں کے اشغال میں شریک ہونا ایک معاشرت کی بیماری اور قوانینِ فطرت کی خلاف ورزی ہے اور صرف ایک بحث اس امر کے ثبوت کے لیئے کافی تھی ۔ کہ گو اس ناموسِ الٰہی کی نافرمانی کو کیسے ہی خوشنما ظاہرداریوں سے چھپایا جائے تاہم اس کا ہمیشہ قائم رہنا محال ہے ۔ لیکن زیادہ واضح کرنے کے خیال سے ہم پھر اس کی توضیح کرتے ہیں ۔ نہ صرف ہم بلکہ تمام خاص و عام یہاں تک کہ عالم وجود کا ایک ذرہ بھی جانتا ہے کہ عورت کے لیئے ایک خاص کمال ایسا رکھا گیا ہے کہ جب تک وہ بیاہی ہوئی اور بچہ جننے والی، اس کو پرورش کرنیوالی ماں اور خانہ داری کی منتظم نہ بنے ۔ اس وقت تک کبھی وہ کمال حاصل ہی نہیں ہو سکتا اور جو چیز اس کو قدرتی فرض سے دور کرے گی وہ اس کے کمال میں بھی نقص وارد کر کے اس پر برا اثر ڈالے گی ۔ ہمیں اس بات کا بھی علم ہے کہ انسانیت ہر

تصور کرتے ہیں جس میں اس کی کسی عورت کو خارجی کام کے لئے مجبور ہونا پڑے اور خدا سے التجا کرتے رہتے ہیں کہ پروردگارا ایسا روز بد آنے سے پہلے ہی ہم کو دنیا سے اٹھالے۔

ایک یورپین شخص کو معلوم ہے کہ اس کے ملک میں ایسی عورتوں کی کثیر تعداد موجود ہے۔ جو اپنے کم سن بچوں کی پرورش اور اپنے بسر اوقات کا کوئی ذریعہ نہیں رکھتیں۔ فاقہ اور تنگدستی کی مصیبت نے ان کو زندگی سے بیزار اور موت کا طلبگار بنادیا ہے اور اکثر بیچاریاں بھوکوں مرنے کی آفت سے نجات پانے کے واسطے خودکشی بھی کرلیتی ہے۔ اس لئے جب وہ مذکورہ بالا جملے کو سنے گا تو اس کے دل پر گہرا اثر پڑے گا اور اس کو لا محالہ یہ آرزو پیدا ہو جائے گی کہ کاش تعلیم کی وجہ سے ایسی ہی صورت ظہور میں آجاتی ہے اور غریب عورتوں کو محرومانہ زندگی سے نجات مل جاتی۔ مگر مشرق کا رہنے والا آدمی جس نے آج تک باوجود ہر حیثیت سے پستی اور ذلت میں گرفتار ہونے کے ایسا رنجیدہ منظر نہیں دیکھا ہے۔ ضرور اس جملہ کو نہایت حقارت و نفرت سے دیکھے گا اور اس کو کبھی نہ مانے گا کیونکہ اس کے دل میں اسلام کی شریف روح کا اتنا اثر باقی ہوگا جو اسے خیال دلائے گا کہ کاش ہمارے قومی مرد کسی دوسری تدبیر سے ان عورتوں کی تکلیف رفع کرنے کا سامان کرتے۔

حاجت نہیں ۔"

اس مقام پر مؤلف بھی ہماری ہی طرح یہ مانتے ہیں کہ عورت کا کمال اسی میں ہے کہ وہ ایسی بیوی بنے جس کے چند بچے ہوں اور پھر وہ ان کی تربیت میں مصروف ہو۔ لیکن اس بات کو لکھ کر وہ پھر مکر جاتے ہیں اور لکھتے ہیں :۔

"مگر غلطی تو یہ ہے کہ ہم اس کی بنیاد پر عورت کے لئے ایسی تعلیم و تربیت کو لازم قرار دیں جس کے ذریعے سے وہ بوقتِ ضرورت اپنی اور اپنے چھوٹے بچوں کی زندگی کے واسطے کسبِ معاش کر سکے ۔"

ہم کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی معاشرتی حالت یورپ کے طرزِ معاشرت سے ہر طرح جداگانہ ہے ۔ اور جو شخص اس بات کی تحقیق کرنا چاہے ۔ اس کو ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے ۔ کہ ان دونوں خطوں کا کسی تمدنی اصول میں یکساں اور ملتے جلتے ہونا اس وقت تک غیر ممکن ہے ۔ جب تک کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے جسم میں فنا ہو کر اسی کا ایک جزو نہ ہو جائے اس میں شک نہیں کہ فاضل مؤلف نے جو آخری جملہ لکھا ہے اگر یہ فقرہ یورپین ممالک میں کسی کی زبان سے نکلتا تو وہاں کے ہر ایک دل میں اس کی بہت بڑی وقعت جم جاتی ۔ مگر اس وجہ سے نہیں کہ یہ بات کسی واجب الوصول کمال حاصل کرنے کی کوشش کا حکم دیتی ہے ۔ بلکہ اس لئے کہ یورپ میں کوئی گھرانا ایسا نہیں مل سکتا ۔ جس میں کوئی لڑکی یا عورت بذاتِ خاص خارجی کاموں میں شرکت کا حصہ نہ لے رہی ہو ۔ یا اس رقم مہر کے جمع کرنے کی فکر نہ کرتی ہو ۔ جسے وہ لازمی طور پر اپنے آئندہ شوہر کے پیش کرے گی ۔ لیکن مشرقی ممالک ہمیشہ سے عورتوں کے بارے میں کمالِ فطری کے درجہ سے بہت قریب رہتے آئے ہیں ۔ اس لئے یہ فقرہ اس ملک میں ہرگز قبولِ عام کا مرتبہ نہیں حاصل کر سکتا ۔ بلکہ یہاں معاملہ برعکس ہے کیونکہ مشرقی ملکوں میں جتنے کنبے قبیلے ہیں ، وہ اس دن کو بیحد منحوس

اُمّ القرآن

(تفسیر سورۃ فاتحہ)

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم)

قریباً چار صد صفحات پر مشتمل یہ سورۃ فاتحہ کی تفسیر سستی پیش کرنے کا فخر ظفر برادرز کو حاصل ہے۔ آج ہی آرڈر سے نوازیں ورنہ مانگ کی زیادتی کی وجہ سے دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔

ھدیہ

ساڑھے تین روپیہ

شمیم بکڈپو کی مایہ ناز پیشکش

شہادت حسینؓ	مولانا ابوالکلام آزاد	-/۱۰/-
ولادت نبویؐ	〃 〃 〃	-/۱۰/-
حضرت یوسف	〃 〃 〃	-/۱۰/-
نبیؐ اور یاران نبی کے آخری لمحات	〃 〃 〃	-/۱۰/-
اکابر اسلام کے آخری لمحات	〃 〃 〃	-/۱/-
عیدین	〃 〃 〃	-/۱۰/-
نظام حکومت اسلامیہ	〃 〃 〃	-/۱۰/-
السیدہ فاطمہ بنت عبداللہ	〃 〃 〃	-/۱۰/-
تربیت عسکری اور قرآن حکیم	〃 〃 〃	-/۱۰/-
ذوالقرنین	〃 〃 〃	-/۱۰/-
خلافت	〃 〃 〃	-/۱۰/-
عورتوں کی آزادی اور فرائض	〃 〃 〃	-/۱۰/-
پردہ قید کی علامت ہے یا آزادی کی ضمانت	〃 〃	-/۱۰/-
مساجد اسلامیہ اور خطبات سیاسیہ	〃 〃	-/۱۰/-

اس کے علاوہ ادارہ ہر ماہ دو کتب -/۱۰/- سیریز [illegible] پیش کرتا رہے گا۔

ظفر احمد قریشی [illegible] شمیم بک ڈپو

فہرست کتب موسم گرما ۱۹۵۸ء

گل رعنا	نسیم حجازی	۶/-
بانو	" "	۷/-
سراب زندگی	" "	۴/-
انداز	" "	۶/-
شبانہ	" "	۵/۸
مرزا مثل	مائل ملیح آبادی	۶/-
ایک تھا بد ایک شہد	" " "	۴/۸
رومانہ	" " "	۴/-
زینت	" " "	۴/-
ضرغام	رئیس احمد جعفری	۱۰/-
[illegible]	" " "	۵/-
[illegible]	" " "	۵/-
عشق	" " "	۶/-
انتقام	" " "	۶/-
[illegible]	دت بھارتی	۴/۸
موت سے پہلے	" " "	۴/-
[illegible]	[illegible] اختر	۴/-
[illegible]	" " "	۴/-
[illegible]	کلیم حزنی	۴/۸
[illegible]	سلامت علی تبسم	۶/۸
[illegible]	[illegible]	۵/۸
[illegible]	[illegible]	۳/۱۲
[illegible]	صادق صدیقی	۵/۱۲
[illegible]	[illegible]	۴/۸
باتیں	" "	۵/۸

من ترنگ	عبدالقدیر تنگ	۲/-
بغیر عنوان کے (ناول)	منٹو	۲/۸
برقعے	"	۳/-
شکاری عورتیں	"	۳/-
بغیر اجازت	"	۲/-
کالی شلوار	"	۲/۸
جنازے	"	۲/۸
رتی ماشہ تولہ	"	۳/-
ایک مرد	"	۲/۸
[illegible]	[illegible]	۲/-
[illegible] شادی	"	۲/۸
[illegible]	[illegible] چاند پوری	۲/-
[illegible]	" " "	۳/-
[illegible]	[illegible]	۵/-

ہاتھ کی لکیروں میں قسمت

مصنفہ ۔ علامہ نیاز فتح پوری

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد آپ کسی کے ہاتھ کو دیکھ کر اس کے ماضی و حال مستقبل پر حکم لگا سکتے ہیں

قیمت ایک روپیہ چار آنہ

دیگر ہر قسم کی کتب ہم سے طلب کریں

نذر برادرز بک سکوائر دی مال۔ لاہور